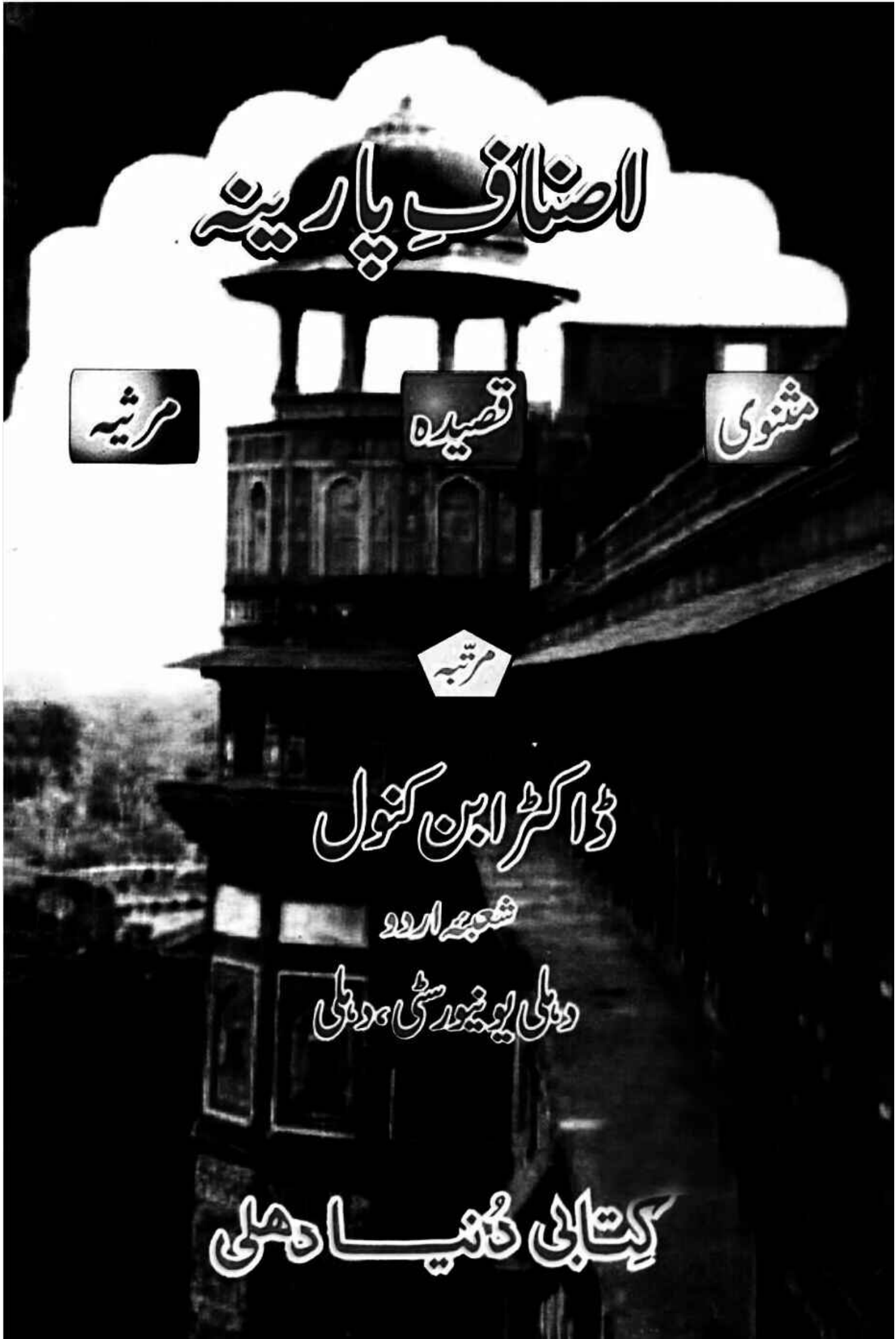

اصنافِ پارینہ

مثنوی

قصیدہ

مرثیہ

مرتّبہ

ڈاکٹر ابن کنول

شعبۂ اردو

دہلی یونیورسٹی، دہلی

کتابی دُنیا دہلی

اصنافِ پارینہ

(مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ)

مرتبہ

ڈاکٹر ابن کنول

شعبۂ اردو

دہلی یونیورسٹی، دہلی

ابتدائیہ

ہر عہد میں ضرورت اور مزاج کے اعتبار سے مختلف فنون لطیفہ کا رواج ہوتا ہے، عروج ہوتا ہے اور پھر وقت کے ساتھ زوال بھی اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ تہذیبیں بنتی ہیں، بگڑتی ہیں، زبانیں تشکیل پاتی ہیں اور ختم ہو کر تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہی صورت بعض اصناف ادب کی بھی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ منظوم اور منثور داستانیں عوام و خواص میں مقبول تھیں، دربار سے خانقاہ تک اور خانقاہ سے عوامی مجلسوں تک داستان گوئی کا رواج تھا لیکن سائنس نے اس طلسمی دنیا کو اصناف پارینہ کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انیسویں صدی تک ہندوستان میں بادشاہت باقی تھی، شاعر دربار کا حصہ بنے ہوئے تھے اور شہنشاہ وقت کے حضور میں رطب اللسان تھے تو قصیدہ گوئی کو فروغ حاصل ہوا، لیکن وقت نے کروٹ لی اور قصیدہ خوانی بھی تاریخ کا حصہ بن گئی۔ مذہبی جذبات سے وابستگی کے باوجود بھی مرثیہ بگڑے شاعروں کے ہاتھوں میں رہا لیکن انیسویں صدی میں اردو شاعری کی اہم ترین صنف بن گیا، رفتہ رفتہ وہ بھی محض مجلسوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اکیسویں صدی تک آتے آتے مذکورہ اصناف سخن اصناف پارینہ کے زمرے میں شامل ہو گئیں۔

مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ اردو شاعری کی وہ قدیم اصناف ہیں جو زبان و ادب کے تدریجی ارتقا کا پتہ دیتی ہیں، ان تینوں اصناف کی تاریخ اردو زبان کی طرح قدیم ہے۔ امیر خسرو کے بعد اردو کو دکن میں جب فروغ ملا تو بے شمار مثنویاں لکھی گئیں۔ نظامی کی ''کدم راؤ پدم راؤ''، غواصی کی ''سیف الملک و بدیع الجمال'' اور ''طوطی نامہ''، ملا وجہی کی ''قطب مشتری''، مقیمی کی ''چندر بدن و مہیار''، نصرتی کی ''گلشن عشق'' اور ''علی نامہ''، امین کی ''بہرام و گل اندام''، ملک خوشنود کی ''ہشت بہشت''، ہاشمی کی ''یوسف و زلیخا'' ابن نشاطی کی ''پھول بن''، رستمی کی ''خاور نامہ'' وغیرہ دکن کی قابل ذکر مثنویاں ہیں، مثنویاں دراصل منظوم داستانیں ہیں، جن میں حسن و عشق کے معاملات اور رزم و بزم کی تفصیل کے ساتھ ساتھ تاریخ کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔ ان سے نہ صرف زبان کو ہزاروں الفاظ ملے ہیں بلکہ ان میں اپنے عہد کی تہذیب بھی سمائی ہوئی ہے۔ شمالی ہند کے بیشتر شعرا نے مثنویاں لکھیں، اردو اور فارسی کی منثور داستانوں کو منظوم کیا۔ میر تقی میر، مرزا سودا، میر اثر، میر سوز، مصحفی وغیرہ نے بہت سی مثنویاں قلمبند کیں لیکن میر حسن کی ''سحر البیان'' اور دیا شنکر نسیم کی ''گلزار نسیم'' اور نواب مرزا شوق کی ''زہر عشق'' کو مثنوی کی تاریخ میں منفرد مقام حاصل ہوا، زیر نظر کتاب میں ان مثنویوں کے منتخب حصے شامل کئے گئے ہیں۔

مبالغہ، مبالہ اور علمی اصطلاحات و مضامین کے ساتھ پر شکوہ زبان اور شاہانہ لہجہ لے کر جو صنف شاعری میں آئی وہ قصیدہ تھی، عربی اور فارسی میں قصیدہ کو بہت عروج حاصل تھا، قصیدہ دراصل غزل کی

ہیئت میں کہی جانے والی مدحیہ یا ہجویہ نظم کا نام ہے لیکن قصیدہ کی تشبیب میں عالمانہ مضامین اور مشکل الفاظ کی شمولیت نے اسے ایک مشکل صنف سخن بنا دیا، قصیدہ گو شعرا نے اپنے قصائد میں اپنی علمیت اور ذہانت کا اظہار انتہائی شاعرانہ لطافت اور نفاست کے ساتھ کیا ہے۔ اس صنف کا آغاز بھی دکن ہی سے ہوا، قلی قطب شاہ اور شاہی کے علاوہ نصرتی اور غواصی وغیرہ نے بھی قصائد لکھے، شمالی ہند میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے بیشتر شعرا نے قصیدے لکھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ کی شان میں بھی تھے اور بادشاہان وقت کی مدح میں بھی۔ اس صنف کے شعرا میں سودا، انشا، مصحفی، ذوق، مومن، غالب وغیرہ اہم ہیں، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کا نام بھی قصیدہ گو شعرا میں اہمیت کا حامل ہے۔ اردو قصیدہ نگاری میں سودا اور ذوق نے اپنی علمیت اور فن کے سبب جو مقام حاصل کیا وہ کسی اور قصیدہ نگار کو نصیب نہیں ہوا، سودا کے یہاں مدحیہ قصائد کے ساتھ ساتھ ہجویہ قصائد میں معاشرتی زوال اور اپنے عہد کی بدحالی کا عکس بھی نظر آتا ہے، ذوق کے بیشتر قصائد بادشاہ وقت بہادر شاہ ظفر کی مدح میں لکھے گئے ہیں، لیکن عالمانہ اور فلسفیانہ خیالات کے اظہار اور شاعرانہ صناعی کے سبب قصیدہ نگاری میں انھیں منفرد مقام حاصل ہے، اس انتخاب میں سودا اور ذوق کے علاوہ غالب اور محسن کاکوروی کے قصائد بھی شامل ہیں۔

مرثیہ اگرچہ آج بھی لکھا جا رہا ہے لیکن انیسویں صدی میں مرثیہ کو جو مقام انیس اور دبیر کی مرثیہ نگاری کے سبب حاصل ہوا، وہ اردو مرثیہ نگاری کی تاریخ کا اہم حصہ ہے، مرثیہ دراصل واقعہ کربلا کے منظوم بیان کا نام ہے لیکن شاعری میں یہ محض بیان نہیں بلکہ اہم صنف سخن کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے مخصوص فنی لوازمات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ مثنوی اور قصیدہ کی طرح اردو مرثیہ کی ابتدا بھی دکن ہی کے شعرا نے کی۔ بعد میں شمالی ہند کے شعرا اس طرف متوجہ ہوئے، انیس و دبیر کا شمار اردو کے اہم ترین مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کو زبان و بیان پر جو قدرت حاصل تھی وہ اردو میں بہت کم شعرا کو نصیب ہوئی، ان کے کلام کی ہمہ جہتی کے سبب مرثیہ کی اہمیت اور معنویت ہر عہد میں یکساں رہے گی، اس کتاب میں ان دونوں مرثیہ نگاروں کے مرثیے شامل کیے گئے ہیں۔

مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ اردو شاعری کی وہ پارینہ اصناف ہیں جو اردو ادب کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں، ان کے مطالعہ سے ہم اردو زبان و ادب کے نشیب و فراز سے بخوبی آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اہل ذوق اس حقیر کوشش کو سراہیں گے۔

ابن کنول

شعبۂ اردو

دہلی یونیورسٹی، دہلی

اصنافِ پارینہ

مثنوی

قصیدہ

مرثیہ

منتخب مثنویاں

ترتیب

۱۔انتخاب از سحر البیان : میر حسن ۳
۲۔انتخاب از گلزار نسیم : دیا شنکر نسیم ۷
۳۔انتخاب از زہر عشق : نواب مرزا شوق لکھنوی ۱۳

میر غلام حسن حسنؔ دہلوی

۱۷۲۷ تا ۱۷۷۶ء

انتخاب از مثنوی سحر البیان!

داستان بے نظیر کے آنے اور باہم ملاقات کی

پلا مجھ کو ساقی شرابِ وصال
کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال

تڑپتا تھا ادھر جو وہ بے نظیر
ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر

پر اس نے بھی اتنا تکلف کیا
کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا

تمامی کی سنجاف سے کر درست
بنا جلد جلد اور پہن تنگ و چست

پہن لعل و یاقوت کے نورتن
وہ گل اس طرح ہو کے رشکِ چمن

فلک سیر پر ہو شتابی سوار
ہُوا آسماں پر ہُوا ایک بار

یکا یک جو وارد ہوا اس جگہ!
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشکِ مہ

نظر نازنیں کی جو اس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کے اوجھل کھڑی

کیا جا کے عالم پہ جو اس کے دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

کہ دھانی ہے جوڑا گلے میں پڑا
چھپا سبزے میں چاند سا ہے کھڑا

کہے تو کہ شب چاند نے آن کے
نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے

وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب
زمرد میں جوں جلوۂ آفتاب

سماں دیکھ اس شعلۂ حسن کا
ہوئی اور جینے کی اس کو ہوا

خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جان کے
کہا ایک ہمراز نے آن کے

کہ اب کس طرح ان کو لے جایئے
جہاں حکم ہو جا کے بٹھلایئے

کہا وہ جو آراستہ ہے مکاں
ادھر سے تو وں ہو کے لے جاوہاں

کہے کے بموجب اُڑھا کر نقاب
چھپا اس کو لا کر بٹھایا شتاب

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر
اور ایدھر سے آئی جو بدرِ منیر

اسے دیکھ اس نے تو پھر غش کیا
لباس اور زیور سے غش غش کیا

زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی
حیا عشق نے خانہ جنگی سی کی

پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اسے
محبت کے رشتہ میں اینچا اسے

لگی کہنے ہے ہے میرا چھوڑ ہاتھ
یہ گری ہے جس سے رہے اس کے ساتھ

کہا ہائے پیاری جلایا مجھے
رُکھائی نے تیری ستایا مجھے

اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا
ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا

تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل
ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مِل

غرض آخرش بعد راز و نیاز
وہ مسند پہ بیٹھی بصد امتیاز

ہوا پھر تو صہبائے گلگوں کا دور
ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور

ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہرو
لگی ان میں ہونے عجب گفتگو

کہ دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار

خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں
بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں

غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو
چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو

لیا کھینچ انہوں نے جو پردہ شتاب
چھپے ایک جادہ مہ و آفتاب

لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ
دَرِ حسن کے کھل گئے دو کواڑ

لگے پینے باہم شرابِ وصال
ہوئے نخلِ امید سے وہ نہال

لبوں سے ملے لب دہن سے دہن
دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو
گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ

کسی کی گئی چولی آگے سے چل
کسی کی گئی چین ساری نکل

غم و درد دامن کشیدہ ہوئے
وہ گل نارسیدہ رسیدہ ہوئے

اٹھے پی کے باہم شراب امید
کوئی سرخ رو ار کائی رو سپید

چھپر کھٹ سے باہر رکھ اپنے قدم
نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشہ سے وہ لذت کے بے ہوش ہو
گئے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

کئے آنکھ نیچی اُدھر نازنین
عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں

یہ بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر
کہ اتنے میں اودھر سے باجا پہر

پہر کے وہ بجتے اٹھا بے نظیر
ہوئی غم کی تصویر بدر منیر

نہ بولی نہ کی بات نے کچھ کہا
نہ دیکھا اُدھر آنکھ اپنی اٹھا

کہا مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو
پھر آؤں گا بولی کہ مختار ہو

خفا اس کے ہونے سے وہ نوجواں
گیا تو دلے منہ پہ آنسو رواں

ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند
لگے ہجر سے دل پہ آنے گزند

بندھا پھر تو معمول اس کا مدام
کہ ہر روز آتا اُدھر وقت شام

پہر رات تک ہنسنا اور بولنا
درِ حُسن اور عشق کو کھولنا

کبھی ہجر سے ان کو ہونا ملول
کبھی وصل میں بیٹھنا پھول پھول

ہجر میں بدر منیر کی حالت!

گئے اس پہ دن جب کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی

دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی

ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب

تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
دُرِ اشک سے چشم بھرنے لگی

خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی

تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ

نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا

جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے

کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے ہاں جی چلو

جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے
تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھایئے
کہا خیر بہتر ہے منگوایئے

جو پانی پلانا تو پینا اسے
غرض غیر کے ہاتھ جینا اسے

نہ کھانے کی سُدھ اور نہ پینے کا ہوش
بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش

غزل یا رباعی ہو یا کوئی فرد
اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد

سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں
نہیں کچھ تو اس کی بھی خواہش نہیں

سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب
نہ ہو دل تو پھر ہر بات بھی ہے غضب

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نِکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

زباں پر تو باتیں و لے دل اداس
پراگندہ وحشت سے ہوش و حواس

نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام
نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

ولیکن یہ خوباں کا دیکھا ہو بھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو ان کا بناؤ

پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی

۱۸۱۱ تا ۱۸۴۳ء

انتخاب از مثنوی گلزارِ نسیم

پہنچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاولی میں اور گل لے کر پھر آنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ
یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ

وہ دامنِ دشتِ شوق کا خار
یعنی تاج الملوک دل زار

اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد
صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد

سائے کو پتا نہ تھا شجر کا
عنقا تھا نام جانور کا

مرغان ہوا تھے ہوش راہی
نقشِ کفِ پا تھے ریگ ماہی

وہ دشت کہ جس میں پُر تگ ودو
یا ریگ رواں تھی یا وہ رہ رو

ڈانڈا تھا ارم کے بادشاہ کا
اک دیو تھا پاسباں بلا کا

دانت اس کے گور کن قضا کے
دو نتھنے رہ عدم کے ناکے

سر پر پایا بلا کو اس نے
تسلیم کیا قضا کو اس نے

بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ یہ طفلِ نوجواں تھا
طعوا بے دور بے گماں تھا

بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں
اللہ اللہ شکر احساں

شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے
اندیشے سے رہ گیا دہل کے

پل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ ! شان تیری

اُشتر کئی جاتے تھے اُدھر سے
پُر آرد و روغن و شکر سے

وہ دیو لپک کے مار لایا
غرّاتے ہوئے شکار لایا

اونٹوں کی جو لوتھیں دیو لایا
دم اس کا بنہ اس گھڑی سمایا

تیورا کے وہیں وہ بار بردوش
بیٹھا تو گرا ،گرا تو بے ہوش

چاہا اس نے کہ مار ڈالو
یا بھاگ سکو تو راستہ لو

وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے
سب ٹھاٹھ تھے میہمانیوں کے

میدہ بھی ،شکر بھی ،گھی بھی پایا
خاطر میں یہ اس بشر کی آیا

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

حلوے کی پکا کے اک کڑھائی
شیرینی دیو کو چڑھائی

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا
حلوے سے کیا منہ اس کا میٹھا

کہنے لگا کیا مزا ہے دل خواہ
اے آدمی واہ واہ وا واہ

چیز ابھی کھلائی تو نے مجھ کو
کیااس کے عوض میں دوں میں تجھ کو

بولا وہ کہ پہلے قول دیجئے
پھر میں جو کہوں قبول کیجئے

وہ ہاتھ پر اس کے مارکر ہاتھ
بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ

بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
بدعہدی کی پر نہیں سہی ہے

گلزار اِرم کی ہے مجھے دھن
بولا کہ ارے بشر وہ گلبن

خورشید کے ہم نظر نہیں ہے
اندیشے کا واں گزر نہیں ہے

واں موج ہوا ہوا پہ اژدر
واں ریگ زمیں زمیں پا اخگر

ہوتا نہ جو قول کا سہارا
بچتا نہ یہیں تو خیر ہارا

رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور
شاید کچھ اس سے بن پڑے طور

ایک نیکرے پر گیا بلایا
وہ مثلِ صدائے کوہ آیا

حال اس سے کہا کہ قول ہارا
ہے پیر یہ نوجواں ہمارا

مشتاق ارم کی سیر کا ہے
کوشش کرو کام خیر کا ہے

حمالہ نام دیونی ایک
چھوٹی بہن اس کی تھی بڑی نیک

خط اس کو لکھا بایں عبارت
اے خواہر مہرباں سلامت

پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد
رکھیو اسے جس طرح میری یاد

انساں ہے چاہے کچھ جو سازش
مہماں ہے کچیو نوازش

خط لے کے بشر کو لے اڑا دیو
پہنچا حمالہ پاس بے ریو

بھائی کا جو خط بہن نے پایا
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا

اس دیونی پاس اک جبیں تھی
زنبور کے گھر میں انگبیں تھی

محمودہ نام ، دختِ آدم
لے آئی تھی دے کے دیونی دم

جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا
محمودہ کے گلے لگایا

دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ
دو وقت سے شام کو ملے وہ

تھے ضبط وحیا کے امتحاں میں
پردہ رہا ماہ میں کتاں میں

آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ

بولا وہ فسردہ دل سحر گاہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
جو غنچے کو گل کرے صبا ہے

بولا وہ یہی تو چاہتا ہوں
گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں

پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب

اول کہی بد نگاہی اپنی
بعد اس کے وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زباں منہ اندھیرے
کہتے سنتے اٹھے سویرے

پوچھا حمالہ نے مری جان
ہمجنس ملا نکالے ارمان

بولی وہ یہ کہتے آتی ہے شرم
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
وہم اس کو ہوا کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
درماں ہے کہ درد لا دوا ہے

بولی وہ کہ درد تو ہے لیکن
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی جو تو کہے زباں سے
تارے لے آؤں آسماں سے

چہرے کو چھپا کے زیرِ چادر
محمودہ نے کہا کہ مادر

باپ اس کا ہے اندھے پن سے مجہول
مطلوب بکاولی کا ہے پھول

دل داغ اس کا برائے گل ہے
نرگس کے لیے ہوائے گل ہے

ساعی تھی بدل یہ کہنے والی
راہ اس نے سرنگ کی نکالی

دیووں سی کہا کہ چوہے بن جاؤ
تا باغِ ارم سرنگ پہنچاؤ

سُن حاجتِ نقب بہرِ گلگشت
کُترا چوہوں نے دامنِ دشت

پوشیدہ زمیں کے دل میں کی راہ
حد باندھ کے خوش پھرے اسی راہ

جب مہر تہِ زمیں سمایا — اس نقب کی رہ وہ آدم آیا

صحنِ چمن ارم میں اک جا — بوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا

کھٹکا جو نگاہ بانوں کا تھا — دھڑکا بھی دل کا کہہ رہا تھا

گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے — خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے

گو باغ کے پاسباں غضب تھے — خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند — سوسن کی زباں خدا نے کی بند

خوش قد وہ چلا گل وسمن میں — شمشاد رواں ہوا چمن میں

ایوانِ بکاولی جدھر تھا — حوض، آئینہ دار بام و در تھا

رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب — چندے خورشید چندے مہتاب

پھول اس کا اندھے کی دوا تھا — رشک جام جہاں نما تھا

پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل — پہنچا لب حوض سے نہ چنگل

پوشاک اتار اتر کے لایا — پولا نہ وہ جامے میں سمایا

گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف — چوری سے چلا چراغ بر کف

بالا دری واں جو سونے کی تھی — سو خواب گہ بکاولی تھی

گول اس کے ستوں تھے ساعدِ حور — چلمن مژگانِ چشم مخمور

دکھلاتا تھا وہ مکان جادو — محراب سے در سے چشم و ابرو

پردہ جو حجاب سا اٹھایا — آرام میں اس پری کو پایا

بند اس کی وہ چشم نرگسی تھی — چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی

کنگھی تھی جو محرم اس قمر کی — برجوں پہ سے چاندنی تھی سرکی

لپٹے تھے جو بال گردنوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

چاہا کہ بلا گلے لگائے — سوتے ہوئے فتنے کو جگائے

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی

یہ پھول انہیں اژدہوں کا ہے من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن

گل چمن کے ملی نہ ہوئے بالکل — خندہ نہ ہو برق حاصلِ گل

پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی

انگشتری اپنی اس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی

آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اس پری پہ ڈالا
ہیبت سازمیں کے دل میں آیا — اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہرو شتاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیونی اور وہ دخت انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آملا وہ گلچیں
اس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گل چیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے — یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گل چیں نے وہ پھول جب اڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاوَلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اٹھی نکہت سی فرش گل سے
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گُل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گُل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون
ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے — بو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا ، گُل — سوسن تو بتا کدھر گیا گُل
سنبل مرا تازیانہ ، لانا — شمشاد انہیں سولی پر چڑھانا
تھرّائیں خواصیں صورتِ بید — ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں — سوسن نے زبان درازیاں کیں
پتّا بھی پتے کو جب نہ پایا — کہنے لگیں کیا ہو خدایا
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون — بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا — اوپر کا تھا کون آنے والا

جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

بولی وہ بکاولی کہ افسوس
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
پتلی وہی چشم حوض کا تھا

نام اس کا صبا نہ لیتی تھی میں
اس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں

گلچیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹا
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا

او خار پڑا نہ تیرا چنگل
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل

او بادِ صبا ہوا نہ بتلا
خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا

بلبل تو چہک اگر خبر ہے
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام
تھی سبزے سے راست مُو براندام

اُنگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود اس کی سن کے فریاد

جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا

رنگ اس کا غرض لگا بدلنے
گُل برگ سے کف لگی وہ ملنے

بدلے کی انگوٹھی ڈھیل پائی
دست آویز اس کے ہاتھ آئی

خاتم تھی نام کی نشانی
انسان کی دست برد جانی

ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات
خاتم بھی بدل گیا ہے بد ذات

جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا

عریان مجھے دیکھ کر گیا ہے
کھال اس کی جو کھینچیے سزا ہے

یہ کہہ کے جنوں میں غضبناک
خوں روئی لباس کو کیا چاک

گل کا سا لہو بھرا گریباں
سبزے کا سا تار تار داماں

دکھلا کے کہا سمن پری کو
اب چین کہاں بکاولی کو

تھی بس کہ غبار میں بھری وہ
آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ

کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی
گلچیں کا کہیں پتا لگاتی

ہر باغ میں پھولتی پھری وہ
ہر شاخ پر جھولتی پھری وہ

جس تختے میں مثل باد جاتی
اس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی

بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے
پتا نہیں حکم دن بلا ہے

تصدق حسین خاں مرزا شوق لکھنوی

۱۷۸۲ تا ۱۸۷۱ء

انتخاب مثنوی زہرِ عشق

دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اور آخری وصیت

جائے عبرت سرائے فانی ہے
موردِ مرگ نوجوانی ہے

اونچے اونچے مکان تھے جن کے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانہ بوم

بات کل کی ہے نوجواں تھے جو
صاحبِ نوبت و نشاں تھے جو

آج خود ہیں نہ ہے مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشاں باقی

غیرت حور مہ جبیں نہ رہے
ہیں مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے

جو کہ تھے بادشاہ ہفت اقلیم
ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مقیم

کوئی لیتا نہیں اب اس کا نام
کون سی گور میں گیا بہرام

اب نہ رستم نہ سام باقی ہے
اک فقط نام ہی نام باقی ہے

کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج
آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج

تھے جو خود سر جہان میں مشہور
خاک میں مل گیا سب ان کا غرور

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے

گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی ان کے خاک ہوئے

تھے جو مشہور قیصر و فغفور
باقی ان کا نہیں نشانِ قبور

تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر
ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں
کھا گئے ان کو آسمان و زمیں

ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے
یہی دنیا کا کارخانہ ہے

ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتہ
نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتہ

بوئے الفت تمام پھیلی ہے
باقی اب قیس ہے نہ لیلی ہے

صبح کو طائرانِ خوش الحان
پڑھتے ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

زندگی بے ثبات ہے اس میں
موت عین حیات ہے اس میں

ہم بھی گر جان دے دیں کھا کر سم
تم نہ رونا ہمارے سر کی قسم

دل کو ہم جولیوں میں بہلانا
یا مری قبر پر چلے آنا

جا کے رہنا نہ اس مکاں سے دور
ہم جو مر جائیں تیری جاں سے دور

روح بھٹکے گی گر نہ پائے گی
ڈھونڈھنے کس طرف کو جائے گی

روکے رہنا بہت طبیعت کو
یاد رکھنا مری وصیت کو

ضبط کرنا اگر ملال رہے
میری رسوائی کا خیال رہے

میرے مرنے کی جب خبر پانا
یوں نہ دوڑے ہوئے چلے آنا

جمع ہولیں سب اقربا جس دم
رکھنا اس وقت تم وہاں یہ قدم

کہے دیتی ہوں جی نہ کھونا تم
ساتھ تابوت کے نہ رونا تم

ہوگئے تم اگرچہ سودائی
دور پہنچے گی مری رسوائی

لاکھ تم کچھ کہو نہ مانیں گے
لوگ عاشق ہمارا جانیں گے

طعنہ زن ہوں گے سب غریب و امیر
قبر پر بیٹھنا نہ ہو کے فقیر

سامنا ہو ہزار آفت کا
پاس رکھنا ہماری عزت کا

جب جنازہ مرا عزیز اٹھائیں
آپ بیٹھے وہاں نہ اشک بہائیں

میری منت پہ دھیان رکھئے گا
بند اپنی زبان رکھئے گا

تذکرہ کچھ نہ کیجئے گا میرا
نام منہ سے نہ لیجئے گا میرا

اشک آنکھوں سے مت بہایئے گا
ساتھ غیروں کی طرح جایئے گا

آپ کاندھا نہ دیجئے گا مجھے
سب میں رسوا نہ کیجئے گا مجھے

رنگ دل کے بدل نہ جائیں کہیں
منہ سے نالے نکل نہ جائیں کہیں

ساتھ چلنا نہ سر کے بال کھلے
تا کسی شخص پر نہ حال کھلے

ہوتے آتش کے ہیں یہ پرکالے
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

ہو بیاں گر کسی جگہ مرا حال
تم نہ کرنا کچھ اس طرف کو خیال

ذکر سن کر مرا نہ رو دینا
میری عزت نہ یوں ڈبو دینا

رنج فرقت مرا اٹھا لینا
جی کسی اور جا لگا لینا

ہوگا کچھ میری یاد سے نہ حصول
دل کو کر لینا اور سے مشغول

رنج کرنا نہ میرا میں قربان
سن لو گر اپنی جان ہے تو جہان

دے نہ اس کو خدا کبھی کوئی درد
ہوتا نازک کمال ہے دلِ مرد

دل میں کڑھنا نہ مجھ سے چھوٹ کے تو
جان دینا نہ گھوٹ گھوٹ کے تو

آ کے رو لینا میری قبر کے پاس
تا نکل جائے تیرے دل کی بھڑاس

آنسو چپکے سے دو بہا لینا
قبر میری گلے لگا لینا

اگر آجائے کچھ طبیعت پر
پڑھنا قرآن میری تربت پر

غنچۂ دل مرا کھلا جانا
پھول تربت پہ دو چڑھا جانا

رو کے کرنا نہ اپنا حال زبوں
تا نہ ہو جائے دشمنوں کو جنوں

دیکھئے کس طرح پڑے گی کل
سخت ہوتی ہے منزل اول

میرے مرقد پہ روز آنا تم
فاتحہ سے نہ ہاتھ اٹھانا تم

ہے یہ حاصل سب اتنی باتوں سے
مٹی دینا تم اپنے ہاتوں سے

عمر بھر کون کس کو روتا ہے
کون صاحب کسی کا ہوتا ہے

کبھی آجائے گر ہمارا دھیان
جانتا ہم پہ ہوگئی قربان

دل میں کچھ آنے دبجو نہ ملال
خواب دیکھا تھا کچیو یہ خیال

رنج وراحت جہاں میں توام ہے
کہیں شادی ہے اور کہیں غم ہے

ہے کسی جا پہ جشن شام وپگاہ
ہے کسی جا صدائے نالہ و آہ

مرگ کا کس کو انتظار نہیں
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

پھر ملاقات دیکھیں کہ نہ ہو
آج دل کھول کو گلے مل لو

خوب سا آج دیکھ بھال لو تم
دل کی سب حسرتیں نکال لو تم

آؤ اچھی طرح سے کر لو پیار
کہ نکل جائے کچھ تو دل کا بخار

دل میں باقی رہے نہ کچھ ارماں
خوب مل لو گلے سے میں قرباں

حشر تک ہوگی پھر یہ بات کہاں
ہم کہاں تم کہاں یہ رات کہاں

کہہ لو سن لو جو کچھ کہ جی میں آئے
پھر خدا جانے کیا نصیب دکھائے

دل کو اپنے کرو ملول نہیں
رونے دھونے سے کچھ حصول نہیں

ہم کو گاڑے جو اپنے دل کو کڑھائے
ہم کو ہے ہے کرے جو اشک بہائے

عمر تم کو تو ہے ابھی کھیتا
دن بہت سے پڑے ہیں رو لینا

باہیں دونوں گلے میں ڈال لو آج
جو جو ارمان ہوں نکال لو آج

پھر خدا جانے کیا مشیت ہے
اتنی صحبت بہت غنیمت ہے

کل کسے بیٹھ کر کرو گے پیار
کس کی لوگے بلائیں تم ہر بار

کل گلے سے کسے لگاؤ گے
یوں کسے گود میں بٹھاؤ گے

حال کس کا سنائے گی آکر
کس کی ماما بلائے گی آکر

ہم تو اٹھتے ہیں اس مکاں سے کل
اب تو جاتے ہیں اس جہاں سے کل

یاد اتنی تمہیں دلاتے جائیں
پان کل کے لیے لگاتے جائیں

ہو چکا آج جو کہ تھا ہونا
کل بسائیں گے قبر کا کونا

خاک میں ملتی ہے یہ صورت عیش
پھر کہاں ہم، کہاں یہ صحبتِ عیش

دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے
کوئی آتا نہیں ہے پھر مر کے

ختم ہوتی ہے زندگانی آج
خاک میں ملتی ہے جوانی آج

چپ رہو کیوں عبث بھی روتے ہو
مفت کا ہے کو جان کھوتے ہو

سمجھو اس شب کو شب برأت کی رات
ہم ہیں مہماں تمہارے رات کی رات

چین دل کو نہ آئے گا تجھ بن
اب کے بچھڑے ملیں گے حشر کے دن

اب تم اتنی دعا کرو مری جان
کل کی مشکل خدا کرے آسان

پھل اٹھایا نہ زندگانی کا
نہ ملا کچھ مزا جوانی کا

دل میں لے کر تمہاری یاد چلے
باغ عالم سے نامراد چلے

کہتی ہے بار بار ہمت عشق
ہے یہی مقتضائے غیرت عشق

چارپائی پہ کون پڑ کے مرے
کون یوں ایڑیاں رگڑ کے مرے

عشق کا نام کیوں ڈبو جائیں
آج ہی جان کیوں نہ کھو جائیں

جب تلک چرخ بے مدار رہے
یہ فسانہ بھی یادگار رہے

بولی گھبرا کے پھر ٹھہر میری جان
کچھ سُنا بھی کہ کیا بچا اس آن

حسرت دل نگوڑی باقی ہے
اور یہاں رات تھوڑی باقی ہے

گود میں اپنی پھر بٹھا لو جان
پھر گلے سے ہمیں لگالو جان

ڈال دو پھر گلے میں باہوں کو
پھر گلوری، چبا کے منہ میں دو

پھر کہاں ہم کہاں یہ صحبتِ یار
کرلو پھر ہم کو بھینچ بھینچ کے پیار

پھر مرے سر پہ رکھ دو سر اپنا
گال پھر رکھ دو گال پر اپنا

پھر اسی طرح منہ کو منہ سے ملو
پھر وہی باتیں پیار کی کرلو

لہر پھر چڑھ رہی ہے کالوں کی
بو سنگھا دو تم اپنے بالوں کی

پھر ہم اٹھنے لگیں بٹھا لو تم
پھر بگڑ جائیں ہم منا لو تم

پھر لبوں کو چبا کے بات کرو
پھر ذرا مسکرا کے بات کرو

پھر بلائیں تمہاری یار لیں ہم
آؤ پھر سر سے سر اتار لیں ہم

رو نہ اس طرح سے تو زار و قطار
دشمنوں کو کہیں چڑھے نہ بخار

آپ اچھے بھلے بچھڑ جائیں
اور لینے کے دینے پڑ جائیں

کاٹ لے کوئی دھڑ سے سر میرا
بال بیکا نہ ہو مگر تیرا

میں دل و جاں سے ہوں فدا تیری
لے کے مر جاؤں میں بلا تیری

اب تو کیوں ٹھنڈی سانس بھرتا ہے
کیوں مرے دل کے ٹکڑے کرتا ہے

میں ابھی تو نہیں گئی ہوں مر
کیوں سُجائی ہیں آنکھیں رو رو کر

اس قدر ہو رہا ہے کیوں غمگیں
کیوں مٹاتا ہے اپنی جانِ حزیں

کر نہ رو رو کے اپنا حالِ زبوں
ارے ظالم ابھی تو جیتی ہوں

اشک بہنے ہیں ناگوار ترے
تو نہ رو ہوگئی نثار ترے

ایسے قصے ہزار ہوتے ہیں
یوں کہیں مردوے بھی روتے ہیں

یوں تو آنسو نہ تو بہا اپنے
دل کو مضبوط رکھ ذرا اپنے

رنج سے میرے کچھ اداس نہ ہو
یوں تو للہ بد حواس نہ ہو

تم تو اتنے میں ہوگئے رنجور
تھک گئے اور ابھی ہے منزل دور

اسی غم نے تو مجھ کو مارا ہے
صدمہ تیرا نہیں گوارا ہے

اپنے مرنے کا کچھ نہیں ہے الم
دل میں میرے فقط ہے اس کا غم

جان ہم نے تو اس طرح کھوئی
کون تیری کرے گا دل جوئی

آ کے سمجھائے گا بجھائے گا کون
اس طرح سے گلے لگائے گا کون

کون روکے گا اس طبیعت
کس سے کہہ جاؤں اس وصیت کو

گو کہ بے جا ترا حواس نہیں
کوئی دل سوز بھی تو پاس نہیں

میں کہاں ہوں جو ساتھ دوں تیرا
ہاتھ میں کس کے ہاتھ دوں تیرا

یوں تسلی تری کرے گا کون
میری صورت بھلا مرے گا کون

کون یوں خوش کرے گا دل تیرا
دل ہے اس غم سے مضمحل میرا

جی لگے گا نہ ساتھ میں اس کا
دل لیے رہنا ہاتھ میں اس کا

پر میں اب اس کو کیا کروں کمبخت
آسماں دور ہے زمیں ہے سخت

گو کہ عقبیٰ میں روسیاہ چلی
مگر اپنی سی میں نباہ چلی

جی کو تم پہ فدا کیا میں نے
حق وفا کا ادا کیا میں نے

بولی پھر زانوؤں پہ مار کر ہاتھ
نہیں معلوم اب ہے کتنی رات

جوں جوں گھڑیال واں بجاتا ہے
جی مرا سن سنایا جاتا ہے

یوں تو کوئی نہ درد وغم میں گھلے
پھولے جاتے ہیں ہاتھ پاؤں مرے

کچھ عجب ہو رہا ہے جان کا طور
کہتی ہوں کچھ نکلتا ہے کچھ اور

آنسو آنکھوں میں بھر بھر آتے ہیں
دست وپا سارے تھرتھراتے ہیں

دل کو سمجھاتی ہوں میں بہتیرا
پر سنبھلتا نہیں ہے جی میرا

گو تو بیٹھا ہوا ہے پاس مرے
پر ٹھکانے نہیں حواس مرے

ہوش آئے ہوئے بھی جاتے ہیں
دل میں کیا کیا خیال آتے ہیں

پیش یوں فرقت حبیب نہ ہو
کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

دوسرا اب یہ اور ماتم ہے
سانگ باقی بہت ہیں شب کم ہے

خاک تسکین جانِ زار کریں
اب وصیت کریں کہ پیار کریں

منتخب قصائد

ترتیب

۱۔مرزا محمد رفیع سوداؔ ۔ ۲۱

۱۔نعت شریف: ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی ۲۱

۲۔در منقبت امیر المومنین حضرت علیؓ: اٹھ گیا بہمن ودے کا چمنستاں کا عمل ۲۳

۳۔شہر آشوب: اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے ۳۰

۴۔تضحیک روزگار: ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار ۳۴

۲۔شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ ۳۸

۱۔قصیدہ اول: در مدح بہادر شاہ ظفر: ہیں مری آنکھ میں اشکوں کے تماشا گوہر ۳۸

۲۔قصیدہ دوم: در مدح بہادر شاہ ظفر: زہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر ۳۹

۳۔قصیدہ سوم: در مدح بہادر شاہ ظفر: ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی ۴۴

۳۔مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ ۴۷

۱۔قصیدہ اول: در منقبت حضرت علیؓ: دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ۴۷

۲۔قصیدہ دوم: در مدح بہادر شاہ ظفر: ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام ۴۸

۳۔قصیدہ سوم: در مدح بہادر شاہ ظفر: صبح دم دروازۂ خاور کھلا ۵۱

۴۔محمد محسن محسنؔ کاکوروی ۵۴

۱۔قصیدہ اول: نعت خاتم المرسلین ﷺ: سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ۵۴

مرزا محمد رفیع سوداؔ

۱۷۱۳ تا ۱۷۸۱ء

قصیدہ اوّل

نعت شریف

ہوا جب کفر ثابت ،ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ، ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگِ عُریانی

فراہم زر کا کرنا، باعثِ اندوہِ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت ،اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں،شاہوں کی پیشانی

عروجِ دستِ ہمت کو نہیں کچھ قدرِ بیش وکم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے کلفتِ ایّام،ضائع قدر مَردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود ،کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں،گر جینا بہت چاہے
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائی سے ہے ،عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصلِ گل میں مرغِ بستانی

مُوقّر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ، باجوہر ،اُسے عزت ہے عُریانی

بہ رنگِ کوہ رہ خاموش ، حرفِ ناسزا سُن کر
کہ تا بد گو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

نہیں غیر از ہَوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جب تک ہے،داغِ دل سے فرصت کیونکہ ہو پانی

یہ روشن ہے بہ رنگِ شمع ،ربطِ بادوآتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ، ہے وہ دشمنِ جانی

کرے ہے دہر ،زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیبِ تُرکِ چشمِ یار ،سُرمہ ہے صفا ہانی

طلوعِ مہر ہو پامالِ حیرت آسماں اوپر
لکھوں بہرِ غزل گر اس زمیں میں مطلعِ ثانی

مطلعِ ثانی

عجب ناداں ہیں وہ، جن کو ہے عُجب تاجِ سلطانی
فلک، بالِ ہما کو، پل میں سونپے ہے مگس رانی

نہیں معلوم، ان نے خاک میں کیا کیا مِلا دیکھا
کہ چشمِ نقشِ پا سے، تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ، تیرا دل نہ نرماوے، تو یا قسمت
وگر نہ دیکھ آئینے کو، پتھر ہوگئے پانی

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے ان کی پریشانی

زمانے میں نہیں کھلتا ہے کارِ بستہ، حیراں ہوں
گرہ غنچوں کی کھولے ہے صبا کیوں کر بہ آسانی

جنوں کے ہاتھ سے سرتا قدم کاہیدہ اتنا ہوں
کہ اعضا، دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں ہوگانی

نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی، اندوہِ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربطِ پیشانی

سیہ بختی میں، اے سوداؔ انہیں طولِ سخن لازم
نمط خامے کے، سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم! کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چینِ پیشانی ولطفِ زلفِ طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل ان کی چشم وزلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صَعب، یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی

زہے دینِ محمد! پیروی میں اس کی جو ہوویں
رہے خاکِ قدم سے ان کی چشمِ عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو، گر اس کی
امانت دارِ نور احمدیؐ ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم وحوّا کی حلقت سے کیا پیدا
مُراد الفاظ سے معنی میں تا آیاتِ قرآنی

خیالِ خُلق گر اُس کا شفیعِ کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سرمنّت یہودی اور نصرانی

زباں پر اُس کی گزرے حرف جس جا گہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق ورزانی

رکھا جب سے قدم مسند پہ، آ، ان نے شریعت کی
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

اگر نقصان پرخس کے، شرر کا ٹک ارادہ ہو
گرہ کو آگ کے دو ہیں کرے غرق، آن کر پانی

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب وآتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی مشکل لعلِ رُمّانی

یہ کیا انصاف ہے یاروں! کہ طَیر ووحش تک جگ میں
اس امن وعیش سے اپنی بسر اوقات لے جانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے، بچہ کبوتر کا
شباں نے گُرگ کو گلّے کی سونپی ہے نگہبانی

ہُما آسا ہے پروازِ مَلَخ اوجِ سعادت پر
کرے ہے مور، چڑھ کر سینۂ دَد پر، سلیمانی

کھلے ہیں غنچۂ گل باغ میں، خاطر سے بلبل کی
جو اب اوراقِ جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی

جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا
تو اس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

نہ ہونے سے جدا سایے کے اس قامت سے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دل چسپ وہ محبوب سُبحانی

جسے یہ صورت وسیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی

معاذاللہ ! یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں ، تو ہوؤں مَردُودِ مسلمانی

کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو ، نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہرِ اُلوہیّت ہے ، یہ ہے ماہِ کنعانی

جو صورت اس کی ہے، لاریب، ہے وہ صورتِ ایزد
جو معنی اس میں ہیں ، بے شک وہ ہیں معنیِ ربانی

حدیثِ مَن رَآنی ، دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے ان کو، اُن نے دیکھی شکلِ یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا ، نہیں کوئی مرا ثانی

بس آگے مت چل اے سوداؔ میں دیکھا فہم کو تیری
کر استغفار ، اس منہ سے ،اب ایسے کی ثنا خوانی

قصیدہ دوم

دَرمَنقبتِ اَمیرالمومنین حضرت علیؓ

اٹھ گیا بہمن ودَے کا چمنستاں سے عمل
تیغِ اُردی نے کیا ملکِ خزاں مُستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمر دار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزّ وجل

قوتِ نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے پات تلک ،پھول سے لے کر تا پھل

واسطے خلعتِ نَو روز کے ، ہر باغ کے بیچ
آبِ جُو ، قطع لگی کرنے روشِ پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نو رُستہ کی رنگ آمیزی
پوششِ چھینٹِ قلم کار ، بہ ہر دشت وجبل

عکسِ گلبُن یہ زمیں پر ہے ،کہ جس کے آگے
کارِ نقاشی مانی ہے دوم ، وہ اوّل

تارِ بارش میں پروتے ہیں گہرہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ،ہر سو بادل

بار سے آبِ رواں ،عکسِ ہجومِ گل کے
لوٹتے ہے سبزے پر ،ازپس کہ ہوا ہے بیکل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں ، گرمیِ نظارہ سے ، جاتی ہے پگھل

جوشِ روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاؤ زمیں کے بھی جو پھوٹے کونپل

دمِ عیسیٰ سے فزوں ، فیض ہوا ہے یاں تک
دین میں قسمِ جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنی
کہیں دعوائے خدائی نہ کریں لات و ہبل

حدِ ایام کے پیش ، از مددِ نامیہ سے
بچۂ مرغِ چمن ، تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے پر ہر بار
جو زباں سے سخن اب طوطی کی آتا ہے نکل

دستِ گل خوردہ وشاخِ گلِ گلزار بہم
بہ جہاں نشوونما کرنے میں ہیں ضربِ مثل

غنچے پر کچھ نہیں موقوف عجب فصل ہے یہ
گل بہم پہنچے ہے ، عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے اب کے نظر لاکھ طرح کا وہ پھول
ان گلوں چھٹ ، جونگہ کے ہیں سدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے ماتا
چاہتی ہے بہ سماجت ، کرے سبزے سے بدل

چشمِ نرگس کی بصارت کے زبس ہے درپے
غنچۂ لالہ نے سُرمے سے بھری ہے مکحل

اس قدر محوِ تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشمِ سیّار، گلستاں میں جھپکتی نہیں پل

آب جُو ، گردِ چمن ، لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحے پہ ، طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغرِ لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل

سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغِ کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو . تو نگہ جارہے سنبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے ، خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا ، صحن میں گلشن کے سنبھل

اتنی ہے کثرتِ لغزش بہ زمینِ ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا، سوگرا سر کے بل

فیضِ تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے ، جو لگے نشترِ زنبورِ عسل

دانہ جس شورِ زمیں پر نہ پھلا دہقاں سے
سبزواں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل

کشت کرنے میں ، ہر اک تخم سے ، از فیض ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں ، برگ و بر آتا ہے نکل

سبز فام ان دنوں آتا ہے نظر ہر گل رُو
خواہ ہو شیخِ پسر ، خواہ وہ فرزندِ مغل

جوہری کو چمنستانِ جہاں میں اس فصل
آگیا لعل وزمرّد کے پرکھنے میں خلل!

تا کجا شرح کروں میں ، کہ بقولِ عُرفی
''اخگر ازلطفِ ہوا ، سبز شود در منقل''

نسبت اس فصل کو ، پر ، کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل

اور میرا سخن ، آفاق میں تا یومِ قیام
رہے گا سبز بہ ہر مجمع و ہر یک دنگل

تا ابد طرزِ سخن کی ہے مرے رنگینی
جلوۂ رنگِ چمن ، جاوے گا اک آن میں ڈھل

وصف تجھ تیغِ دوسر کا میں کروں کیا شہِ دیں
دل محبوں کے جو میداں میں کرے ہے صیقل

اس کے قبضے پہ جو ہو دستِ مبارک تیرا
نہ رہیں دینِ محمدؐ کے سوا اور مِلل!

کھینچ اسے ،گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
استقامت کا زمانے کی قدم جائے نکل

عرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں ،جو وہ تفرقہ انداز اُگل

جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواسِ خمسہ
دیکھ کر اس کو عَلَم ہاتھ میں تیرے یک پل

تُوام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
منجمد رہنے میں ان کے وہیں آجائے خلل

نرم اور سخت مُساوی ہے کسو پر آوے
خواہ برروئے قَز وخواہ وہ بر پشتِ جبل

اس کو آسیب نہیں صورتِ شمشیرِ قضا
نہ جھڑے وہ ،نہ مڑے وہ ،نہ پڑے اس میں بل

زیرِ راں ہے جو ترے رخشِ فلک سیر ،شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اَچپل

شکل کیا اس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل

اس کی سر چوٹی کا میں حسن کہوں کیا ،جس کے
زلفِ معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل

یَرغہ وگام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اس کی چَھل بَل

یلہ وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے
پڑ سکے پیچھے نہ اس کے کوئی ،جز اس کے کفل

جست وخیز اس کی بیاں کیجیے گر پیشِ حکیم
اعتقاداتِ حکیمانہ میں آجائے خلل

قاش سے زین کی ،ذرّہ جو اچک جائے عناں
مارے، جوں روئے زمیں، پشتِ فلک کو وہ کُھندل

میخ سے نعل کی اس کے ،میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بہ یک آن زحل

اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہیے اچل

تو سنِ وہم کو دوڑایئے ساتھ اس کے ، تو ہو
بازگشت اس کی تمام ، اس کے بہ گام اوّل

خانۂ زین کب اس کا ہے کم از بیت، اللہ
تجھ سے معنی کی نشست اس میں ہو جب روزِ ازل

ہیبتِ عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے دردِ سر آہو کے ، گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائے جو دُہل

موردِ سنگ ہو شیشہ ، تو غضب سے کردے
کوہ کوہر دو کفِ دست میں مل کر خَردَل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی ، شاہا
آنچ سے آگ کی تک خس میں جو آجاوے بل

گرہ نار ، تجھ آتش سے غضب کی جل کر
چشمِ نو لی فلک کے لیے ہووے کاجل

مرغ زرّینِ فلک عہد میں تیرے شاید
بوجھ کردانہ گیا ہے کسی اختر کو نگل

تار تار اس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
بازِ قدرت نے ترے ،پنجے سے ڈالا ہے مسل

وصف تجھ تیغِ دوسر کا میں کروں کیا شہِ دیں
دل محبوں کے جو میداں میں کرے ہے صیقل

اس کے قبضے پہ جو ہو دستِ مبارک تیرا
نہ رہیں دینِ محمدؐ کے سوا اور مِلل!

کھینچ اسے، گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
استقامت کا زمانے کی قدم جائے نکل

عرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طول
پڑے دریا میں، جو وہ تفرقہ انداز اُگل

جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواسِ خمسہ
دیکھ کر اس کو عَلَم ہاتھ میں تیرے یک پل

تُوام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
منجمد رہنے میں ان کے وہیں آجائے خلل

نرم اور سخت مُساوی ہے کسو پر آوے
خواہ برروئے قَز وخواہ وہ بر پشتِ جبل

اس کو آسیب نہیں صورتِ شمشیرِ قضا
نہ جھڑے وہ، نہ مڑے وہ، نہ پڑے اس میں بل

زیرِ راں ہے جو ترے رخشِ فلک سیر، شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اَچپل

شکل کیا اس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل

اس کی سر چوٹی کا میں حسن کہوں کیا، جس کے
زلفِ معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل

یَرغہ وگام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اس کی چَھل بَل

یلہ وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے
پڑ سکے پیچھے نہ اس کے کوئی، جز اس کے کفل

جست وخیز اس کی بیاں کیجیے گر پیشِ حکیم
اعتقاداتِ حکیمانہ میں آجائے خلل

قاش سے زین کی، ذرّہ جو اچک جائے عناں
مارے، جوں روئے زمیں، پشتِ فلک کو وہ کُھندل

میخ سے نعل کی اس کے، میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بہ یک آن زحل

اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہیے اچل

تو سنِ وہم کو دوڑایئے ساتھ اس کے، تو ہو
بازگشت اس کی تمام، اس کے بہ گام اوّل

خانۂ زین کب اس کا ہے کم از بیت اللہ
تجھ سے معنی کی نشست اس میں ہو جب روزِ ازل

ہیبتِ عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے دردِ سر آہو کے، گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائے جو دُہل

موردِ سنگ ہو شیشہ، تو غضب سے کردے
کوہ کوہر دو کفِ دست میں مل کر خَردَل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی، شاہا
آنچ سے آگ کی تک خس میں جو آجاوے بل

کُرہ نار، تجھ آتش سے غضب کی جل کر
چشمِ نُو لی فلک کے لیے ہووے کاجل

مرغ زرّینِ فلک عہد میں تیرے شاید
بوجھ کردانہ گیا ہے کسی اختر کو نگل

تار تار اس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
بازِ قدرت نے ترے، پنجے سے ڈالا ہے مسل

ذکر و اذکار ترے حفظ کا گر آجاوے
کسی محفل میں بہ تقریب ،زباں پر یک پل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے دل پر
شب سے تا صبحِ قیامت، نہ سکے موم پگھل

امر سے نہی کے تیری بہ جہان ، یا شہِ دیں
کام پہنچا ہے مناہی کا بھی یاں تک بہ ذلل

کہ حیا سے بہ چمن غنچہ سر اپنا ،کیا ذخل
نسبتِ شکل صراحی سے اٹھاوے یک پل

جب سے گل بولتے ،بلبل نے قماری سنا
عشق گل تب سے دھویا کرتی ہے دل ململ

جوش میں آئے یہ کیا معنی ،بہ خم لائے شراب
چشمے سے ،میں یہ ڈروں ہوں نہ سکے آب اُبل

رقص بے ذخل کچھ اب روئے زمیں پر ہی نہیں
پیچھے لُولی فلک کے بھی نہ باجے مندل

کیوں کے آوازِ مغنّی ہو گلے سے باہر
شرم سے ،ساز کے پردوں میں غنا ہے اوجھل

امر حق ہے جو ملائک نے یہ چاہا ، سونپیں
حلم کا بار ترے ، کوہ وفلک کو بہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بہ جنابِ اقدس
بوجھ اس میں ہے بہت،ہم ہیں گرفتارِ کسل

آخرش تجھ کو ہی پایا متحمل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسی سے نہیں سکتا ہے سنبھل

دشتِ اَرزَن میں جو سلماں کو ملی تجھ سے نجات
کچھ ترے وصف سے نسبت نہیں رکھتا یہ عمل

گرا ے کر کے بیاں ،سمجھوں ثنا کی میں نے
خلق سمجھے گی ،دماغ اس کا ہوا ہے مختل

جَبہ سا جو کوئی درکار اسداللہ کے ہے
کلۂ شیر کو ہے روبہ کی نہ سمجھے پشکل

محرم کہنہ جو تیرا ہو ،کرے تیری مدح
سوتو جُز علمِ خدا ،علم ہے سب کا مہمل

وصف تیرے کی ہے شایانِ زباں تیری ہی
سمجھے تو آپ کو یا تجھ کو خداوندِ اجل

مدح اپنی نہ سمجھ ، یہ جو کہا میں ، اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ہے سخن ہے اسفل

عرضِ احوال ہے اپنا ہی مجھے اس غرض
تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اوّل

سو تو وہ کیا ہے ،رہا ہووے جو تجھ سے مخفی
نہیں رازِ دو جہاں تیری نظر کے اوجھل

سب کا احوال ترے پیشِ ضمیر روشن
ایک سے دونوں ہیں کیا ماضی وکیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ہے آٹھ پہر دل میرا
گردشِ چرخ سے جو شیشۂ ساعت بیکل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مری چشم میں خواب اس شبانہ ،یک پل

کہے جاتے نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے
جس طرح کے مرے اوقات میں ڈالے ہیں خلل

لا بٹھایا مجھے ، گھر بار چھڑا ، لشکر میں
پالِ بے چوب تلے اپنے بغیر از پرتل

اس ستم گار سے جب زور مرا کچھ نہ چلا
تب میں ناچار کہی شکوے میں اس کے یہ غزل

غزل

دادکو کس کی فلک پہنچے ،کہ از روزِ ازل
صبح جو نکلے ہے خورشید، تو لے کر مشعل

سامنے اس کے اٹھے دستِ تظلّم اس کا
جوہرِ عقل میں جس شخص کے آجائے خلل

خود یہ ظالم ہے ، تظلّم پہ کرے کس کے نظر
آسیا کب کرے فریاد پہ دانہ کو بہل

راست کیشوں سے کجی اتنی ہے اس ملعوں کو
کہ دیا سرو کو ان نے نہ کبھو پھول ،نہ پھل

سات یہ فتنے ہیں ،کہتے ہیں جسے ہفت فلک
ایک سے ایک بڑا، ایک کے اک زیرِ بغل

میں یہ دیکھا نہ ،کہ از نخلِ حیاتِ انساں
برلے آوے عمل اس کا کبھو امید و اَمَل

ہے کہیں مہر کہیں کیں جو اسے عالم سے
علم اس کا ہے عجب عقدۂ مالا یَنحَلّ

اس ستم گر کے تلوّن سے ، بہ عالم ہرگز
شادی وغم میں نہ دیکھا میں تفاوت یک پل

سینہ کوٹے ہے ، نکلتے ہی وہ دروازے پر
گر کسی گھر مین کوئی جا کے بجاتا ہے دُہل

حلقہ مارے یہ وہ افعی ہے محیطِ عالم
زہر کا جس کے نہیں کوئی پا زہر ، بدل

فی الحقیقت ہیں یہ سب آبلے ، اختر نہ سمجھ
اس کے اندام پہ ! مہتاب سے لے تابہ زحل

زہر اپنے کو ، جو ہیبت سے تری یا حیدر!
آپ پیتا ہے ، گیا ہے بدن اس کا سب پھل

کرکے دریافت اس احوال کو ، اب یا مولا
تجھ سے یوں عرض کرے ہے یہ ترا عبدِاَقَل

یہ نہ کر مجھ پہ گوارا کہ گزند اس کے سے
ہند کی خاک میں اجزائے بدن جاویں گل

جلد پہنچا بہ زمینِ نجف اس عاصی کو
کہ اسے عمر ابد ہے وہ ، جو واں آئے اجل

یاں معاش اپنی نہ سمجھوں ہوں ، نہ میں اپنی معاد
اخذ وجر میں ہوں بد ونیک سے مکر و دَغل

تجھ سے جز راستی کیا عرض کیا جاتا ہے
علم میرا ہے یہ علم ، اور عمل ہے یہ عمل

مجھ کو کچھ عذر نہیں اس میں ترا ہوں میں غلام
خواہ تعزیر کر اب اس پہ مجھے خواہ بہل

مدعا اتنی عرائض کا مری ، ہے یہ عرض
سرفرو ہو نہ مرا یاں بہ درِ اہلِ دُول

میری قسمت کے موافق تو متعین کردے
اپنی سرکار سے واں ،ما یتحلّل کا بدل

ہاتھ پھیلایئے جا زیرِ فلک کس کے حضور
دستِ ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بطرف خلقت کے
کرکے جب دیدۂ قسمت سے سمھوں کے اوجھل

جو ہر جود و کرم تھا سو بہ روزِ تقسیم
لکھ گیا ہوئے ترے نام ہی منشی ازل

طاقتِ طولِ سخن آگے بھی تک سودا کو
بخش ، اے قوتِ بازوئے نبی مرسلؐ

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائیہ پہ ختم
نظم تجھ مدح کی ، بہتر ز کلامِ اوّل

تا ملے خلعتِ نو روز بہ بستانِ جہاں
پاوے تا نیّرِ اعظم ، شرف از برجِ حمل

برگ پیدا کرے تا باغ میں ہر ایک نہال
پھوٹے تا نامیہ سے شاخِ شجر میں کونپل

خوشہ ، روئیدگی خاک سے تا پہنچے بہم
دانہ کو جب تئیں کھینچا کرے خرمن سے ،نمل

تا کرے سبزہ ، بہ رخسارِ گل اندام نمو
تا پڑے سنبل پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رہے داغ ، دلِ سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خودرو ہے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرۂ نیساں سے ہو جب تک گوہر
کڑکے تا وقت ترشّح کے ہوا میں بادل

لب معشوق کو تا شہرہ دیں شاعر بہ شفا
چشمِ نرگس کے تئیں تا کریں نسبت بہ کسل

بوئے گل ،مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے بادِ سحر ، عقدے کو غنچے کے حل

موج ہو آپ کی ، تا سرو کے پا میں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردنِ قمری کا محل

تا لب جو پہ کرے خیمے کو استادہ حباب
تا بچھاوے بہ روش ، سبزہ ، فرشِ مخمل

شاخ کے ہاتھ میں ہوتا بہ چمن ساغرِ گل
گل کے جب تک رہے غنچے کی صراحی بہ بغل

تا بہ مے خانہ پییں بادۂ گلگوں مے خوار
ساتھ مطرب کے بجے تا دف و نے ، چنگ و دہل

پھرے تا باغ میں ہر ایک روش پر سرخوش
راہ چلتے میں قدم مست کا تاجائے پھسل

مہ کے پرتو سے ہو تا چاک گریبانِ کتاں
گلِ خورشید سے تا عشق رکھے دامنِ طل

قدر ہو عود کی تا مجمرِ آتش سے فزوں
لطف بو ، تار ہے عالم میں بہ چوبِ صندل

تا مسمّٰی رہے یہ نظم بہ ''باب الجنت''
جب تلک اس سے بر آوے مری امید و امل

نخل امید دے ، تیرے ، ہوں برد مند محبّ
ہو محبت نہ تری جن کو، نہ پاویں وہ پھل

قصیدہ سوم

شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیرو جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے

میں حضرتِ سودا کو سُنا بولتے یارو
اللہ ہی اللہ ہے کیا نظم بیاں ہے

اتنا میں کیا عرض کہ فرمایئے حضرت !
آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے

سُن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا
اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زباں ہے

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے کی کئی شکلیں
ہے وجہِ معاش اپنی سو اس کا یہ بیاں ہے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالمِ بالا پہ نشاں ہے

گزرے ہے سدا یوں علَف ودانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بننے کے یاں ہے

ثابت ہو جو دَگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلّہ کماں ہے

کہتا ہے نفر غرّے کے صرّاف سے جاکر
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقے سے میاں ہے

یہ سُن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ
شوّال بھی پھر ماہِ مبارک رمضاں ہے

اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے
تنخواہ کا پھر پیٹنا اس شکل سے یاں ہے

لیتے ہیں بایں رویہی وہ تو دو ماہر
ٹک دھونس دھڑلے کی جنہیں تاب وتواں ہے

قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اُس میں
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جواں ہے

ملّا جو اذان دیوے تو منہ موند کے اُس کا
کہتے ہیں کہ خاموش مسلمانی کہاں ہے

بولا جو خطیب اس میں تو ماری اسے اک دھول
ہاتھ آگیا واعظ تو تھپیڑا و دہاں ہے

رینکے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوات نہ سجدہ نہ اذاں ہے

اور وہ جو ہیں کمزور وہاں آن کے بیٹھیں
ربی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکاں ہے

اُٹھ اُٹھ کے دکھاتے ہیں انہیں حال وہ اپنا
دربار رو اس عہد میں جو خرد و کلاں ہے

یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پالکی آگے
اس سج سے رسالے کا رسالہ ہی رواں ہے

کوئی سر پہ کیے خاک گریباں کسو کا چاک
کوئی رووے ہے منہ پیٹ کوئی نالہ کناں ہے

ہندو و مسلماں کو پھر اُس پالکی اوپر
ارتھی کا توہم ہے ، جنازے کا گماں ہے

یہ مسخرگی دیکھ کے جا صاحب ارتھی
کرتے ہین جوواں عرض تو نے پھر ہے نہ ہاں ہے

گر ہو جیے جاکر کسی عمدہ کے مصاحب
اس کی تو اذیت ہی بڑی آفتِ جاں ہے

وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے

بے وقت خورش اس کی جو ہو اپنے تئیں بھوک
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے

گھڑیال کی چپ بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور ریح خلا رُو دوں جو اسپ دواں ہے

خمیازے پہ خمیازہ ہے اور چُرت اوپر چُرت
منہ صورتِ سو فار کمر شکلِ کماں ہے

صیغے پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے

صحبت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک
آوے تو وہ اس کو یہ خشونت نگراں ہے

دیتے ہیں منگا تیر وکمان ہاتھ میں اُس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اس وقت گماں ہے

اور ماحضر اوپر جو وہ تواب کو دیکھے
کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے

مطبوخ پہ ہے خرپزہ اور خرپزے پر دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاؤ زباں ہے

یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلّی
اس سب پہ تفنن کے لیے بینی ناں ہے

اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے
پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچ مداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کچے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے

ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل
ہر شام یہ دل وسوسۂ سود و زیاں ہے

لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دے جنس
یہ درد جو سُنیے تو عجب طرفہ بیاں ہے

قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دُزدی کا گماں ہے

جب مول مشخص ہوا مرضی کے مطابق
پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے

پرداز لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے

اودھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا
دیان و بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے

آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہراک متصدی سے میاں اور تپاں ہے

ناچار پھر جمع ہوئے قلعے کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد وفغاں ہے

دو بیل کی جاکر جو کہیں کیجئے کھینچی
اور مینہ بھی موافق ہی پڑے تو تو ساں ہے

ہیں خشکی و غرقی کے تفکر میں شب وروز
نے امن ہے دل کے تئیں نے جی کو اماں ہے

گر خان وخواتین کی لے کوئی وکالت
اس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے

ہر عمدہ کے دروازے پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے اجی مرد ہے جی نواب کہاں ہے

ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں
ہر کوچے میں جوں آب چکا بودہ دواں ہے

دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر
مانند کنہیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

لادے جو کچہری سے وہ داموں کا سیاہا
للچادے موکل کو یہ کیا خوب مکاں ہے

سوماہی یہ بیٹھی ہے دلے پانسو ہے خرچ
اور زر کے اجارے کی بھی اردو میں دکاں ہے

بتادے غرض پیسے اڑا کر ہوا روپوش
گھر جا کے پکارے جو کوئی لالہ کہاں ہے

جس وقت سُنا یہ وہیں آواز بدل کر
آپ ہی کہا گھر میں سے کشن چند کے یاں ہے

پھر ہو جو موکل سے کہیں راہ میں بھیٹا
اسناد کا جاگیر کے یہ اس سے بیاں ہے

عرضی پہ ہوا میم سیا ہے پہ ہوا جیم
پروانہ میں تم پر ہوں تصدق مرجاں ہے

کاہے کی غرض عرضی وہ اور کس کا سیاہا
کیدھر کا وہ پروانہ وہ جاگیر کہاں ہے

انصاف جو کیجے تو نہیں اس کی بھی تقصیر
سب ماحصل ان باتوں کا اک پارچہ ناں ہے

شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تویاں ہے

مشتاق ملاقات انہوں کا کس و نا کس
ملنا انہیں ان سے جو فلاں ابن فلاں ہے

گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے دوگانہ
نیت قطعۂ تہنیتِ خانِ زماں ہے

تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سُنے نطفۂ خاں ہے

اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکیں کہاں ہے

ملائی اگر کیجئے تو ملا کی ہے یہ قدر
ہوں دو روپے اس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے

اور ماحضر آخوند کا اب کیا میں بتاؤں
اک کاسۂ دالِ عدس و جَو کی دو ناں ہے

دن کو تو بچارا وہ پڑھایا کرے لڑکے
شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

تِس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اس کے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے

بھاگے یہ عمل کو جو وہ شیطان کا لشکر
دیوالی کے لے ہاتھ تعاقب میں دواں ہے

اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیت نکے سیکڑا لکھنے کو ہے محتاج
خوبی میں خط اب جس کا بہ از خطِ بتاں ہے

یہ بھی تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ
آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

احیا ہو جو موتی کا زمانے میں نئے سر
خطاط کی اتنی ہی رہی قدر کہاں ہے

ہدیہ ہو سوا پانچ نکے گذری میں آکر
یاقوت پکارے جو بکاؤ قرآں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے ہی تو شعرا کے وہ مطعونِ زباں ہے

دیتا ہے دُمِ خر سے کوئی شملے کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے

اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت
اس فکر وتردّد ہی میں ہر ایک زماں ہے

پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھ کر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی
لے خیلِ مریداں وہ گئے بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے کوئی رو دے کوئی نعرہ زناں ہے

بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر
سرگوشیوں میں پھر بد اصولی کا بیاں ہے

گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقصِ زناں ہے

اور ماحصل اس رنج ومشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دالِ نخود قلیہ و ناں ہے

سب پیشہ یہ تج گر جو کوئی ہو متوکل
جو رو تو یہ سمجھے کہ نکھٹو یہ میاں ہے

اور بیٹے کے دل کو ہے خرافت کا تیقّن
بیٹی کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے

پھر شیخ کے جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے
ہر خان وخوانین کے ہمراہ دواں ہے

جب راہ خدا پیسے مکالے کوئی نواب
تب اس کی سفارش میں اسے رقعۂ خاں ہے

مضمون یہی رقعے کا کہ کچھ دیجئے اس کو
مدّاح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحتِ جاں ہے

ٹک دیکھنا منصور علی خاں جی کا احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے

آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال
جمعیّتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

دنیا میں آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا تھا کوئی اس کا نشاں ہے

سو اس پہ تیقّن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے

یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ وہ یاں ہے نہ واں ہے

قصیدہ چہارم

تضحیکِ روزگار

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک فرار

جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

تنہا وے نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست سے اکثروں نے اٹھایا ہے ننگ وعار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جوان کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نہ دانہ ہے نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہے جیسے اسپ گلی طفلِ شیر خوار

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانندِ نقشِ نعل زمیں سے بجز فنا
ہر گز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کرو گے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اخترں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار

دیکھے ہے جب وہ تو بڑہ دمتھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کنوئیں ٹاپیں مار مار

ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اس کو کردگار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

لے جاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

تنہا نہ اس کے غم سے ہے دل تنگ زین کا!
خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فگار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کنے وہ اسپ نابکار

خدمت میں ان کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا جب انہوں نے کہ اے مہربانِ من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانوگے انکسار

صورت کا جس کی دیکھنا ہے گا گدھے کو ننگ
سیرت سے جس کے نت ہے سگِ خشمگیں کو عار

مانند میخ چو کے لکدزن ہے تھان پر
لاجب وہ زمیں سے ہے جو میخ استوار

حشری ہے اس قدر کہ بہ حشر اس کی پشت پر
دجّال اپنے منہ کو سیہ کرکے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اڑگئے ہیں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہے مار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگِ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

کم رو وہ اس قدر ہے کہ گر اس کے نعل کا
لوہا گلا کے تیغ بنا دے کوئی لوہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روزِ جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقتِ کار زار

مانندِ اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ وسیہ سے ہوا سفید!
تھا سروسا جو قد سو ہوا شاخِ بار دار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شیخوخیت کے درجہ سے کر اس طرف گزار

مشہور تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یار

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار

مدت سے کوڑیوں کو اڑایا ہے گھر میں بیٹھ!
ہوکر سوار اب کرو میداں میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جاکے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل وخوار

لے جاویں چور یا مَرے یا ہو کہیں یہ گم
اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

تنہا نہ اس کے غم سے ہے دل تنگ زین کا!
خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فگار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کنے وہ اسپ نابکار

خدمت میں ان کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا جب انہوں نے کہ اے مہربانِ من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانوگے انکسار

صورت کا جس کی دیکھنا ہے گا گدھے کو ننگ
سیرت سے جس کے نت ہے سگِ خشمگیں کو عار

مانند میخ چو کے لکدزن ہے تھان پر
لاجب وہ زمیں سے ہے جو میخ استوار

حشری ہے اس قدر کہ بہ حشر اس کی پشت پر
دجّال اپنے منہ کو سیہ کرکے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اڑ گئے ہیں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہے مار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگِ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

کم رو وہ اس قدر ہے کہ گر اس کے نعل کا
لوہا گلا کے تیغ بنا دے کوئی لوہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روزِ جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقتِ کار زار

مانندِ اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ وسیہ سے ہوا سفید!
تھا سروسا جو قد سو ہوا شاخِ بار دار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شیخوخیت کے درجہ سے کر اس طرف گزار

مطلب تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی بھی حقیقت کہوں میں یار

دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار

مدت سے کوڑیوں کو اڑایا ہے گھر میں بیٹھ!
ہوکر سوار اب کرو میداں میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جاکے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل وخوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا مُنہ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے تو بڑا اسے دکھلائے تھا سیکس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا روبراہ
ہلتا تھا نہ زمین سے مانندِ کوہسار !

اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پیہے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں !
یابادبان باندھو پون کے دو اختیار

میں کیا کہوں غرض کہ ہر ایک اس کی شکل دیکھ
تیغِ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار

کہتا تھا کوئی بُد ہے تو کوئی ''نہیں یہ اسپ''
کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار

کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

کہنے لگا پھر آکے اُس اجماع میں کوئی شخص
مرکب نہ گدھا نہ راکب گناہگار

سمجھوں ہوں میں تو یہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار

اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی کمھار کے گدھے اُس دن ہوئے تھے گُم
اس ماجرے کو سُن کیا دونوں نے واں گذار

ہر اک نے اُس نے کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دُم کمھار

دریائے کشمکش ہوا اُس آن موج زن
تھا عنقریب ڈوبے خفت سے ایک بار

بدچشمی اُس کی دیکھ کے کرخرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو مُنھ کے بیچ
مو اُس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجکو بھی چڑھا
دوں گا ٹکا تجھے میں بھی لو چندا اتوار

اس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر
کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب
کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اس وقت مستجاب
واں سے بہر نمط کیا جگاہ تک گذار

دست دعا اٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پکار

پہلے ہی گولہ چھوٹتے اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر کے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعد بجنگ !
اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑے تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل لے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی
اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہو جیے سوار

سن کر تب ان سے میں نے یہ قصہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است
سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں میں ہوشیار

سوداؔ نے تب قصیدہ کہا سُن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدہ کا تضحیکِ روزگار

☆☆☆

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

۱۷۸۹ تا ۱۸۵۴ء

قصیدہ اول

در مدح بہادر شاہ ظفرؔ

ہیں مرے آبلۂ دل کے تماشا گوہر
اک گہر ٹوٹے تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر

نظرِ خلق سے چھپ سکتے نہیں اہلِ صفا
تہِ دریا سے بھی جا ڈھونڈ نکالا گوہر

رزق تو در خورِ خواہش ہے پہنچتا سب کو
مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر

پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک سرشت
غرق ہے آب میں پر تر نہیں اصلا گوہر

کور باطن کو ہو کیا جوہرِ دانش کی شناخت
کہ پرکھتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر

جوہرِ خوب کو درکار ہے آرائش خوب
خوب تو آب کی خوبی سے ہے ٹھہرا گوہر

ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد
ہو نہ ہو صحبتِ تار رگِ خارا گوہر

دل خراش اور ہے طاقت وہ دل ہے کچھ اور
کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر

صدق اور کذب پہ ہر نکتہ کی ہر شرط نظر
کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر

صاف باطن کی ہو جب قدر کہ ظاہر ہو درست
مول بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر

ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر

خلشِ خار جنوں سے ہے پروتا کیا کیا
ہر قدم پر قدم آبلہ فرسا گوہر

ذوقؔ موقوف کر انداز غزل خوانی کو
ڈھونڈ اس بحر میں اب تو کئی اچھا گوہر

غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر
آگے تقدیر سے خرمہرہ ملے یا گوہر

وہ بہادر شہ غازی کہ برنگِ نیساں
روز برسائے ہے ابرِ کرم اُس کا گوہر

جشن سے اس کے ہے اک فیض کا دریا جاری
بہتے پھرتے ہیں برنگِ کفِ دریا گوہر

پہنچے گر گوشِ صدف تک یہ نوید عشرت
اتنا بالیدہ بخود ہو کہ مینا گوہر

مدح حاضر میں کروں کوئی مطلع تحریر
آج ہے خامہ مرا منہ سے اُگلتا گوہر

آج وہ دن ہے کہ اے خسرو والا گوہر
کوہ دے نذر تجھے لعل تو دریا گوہر

بحر و بر میں ہیں شہا تیرے مہیائے نثار
سیم سے زر تلک و لعل سے لے تا گوہر

مشتری کہتے ہیں جس کو وہ اٹھالایا چرخ
ٹوٹ کر جو ترے سمرن سے گرا تھا گوہر

صبح اقبال و سعادت کا ستارا چمکا
جو ترا طرۂ دستار کا چمکا گوہر

درفشانی سے تری اتنے گہر ہیں ارزاں
لکھتے ہیں نسخۂ مفلس میں اطبا گوہر

کوہ کا زہرہ کرے آب تری ہیبتِ عدل
گر یہ سن پائے کہیں سنگ نے توڑا گوہر

آب دریائے کرم سے جو ہو تیرے سیراب
ابر مردہ سے برسنے لگے کیا کیا گوہر

سینہ صافی کا تری ایک ہے نقشہ دریا
دل روشن کا ترے ایک نمونا گوہر

خسروا میں جو کہوں سب ترے اوصاف بکو
تو سدا منہ سے مرے پھول جھڑیں یا گوہر

ذوقؔ کرتا ہے دعائیہ پر اب ختم سخن
تا کہ ہو سنگ سے لعل آب سے پیدا گوہر

تار ہے پنجۂ خورشید پہ ہر روز طلا
تا گرہ میں رکھے شب نقدِ ثریا گوہر

دانۂ انجم گردوں سے پروئے جب تک
رشتۂ کاہ کشاں میں شب یلدا گوہر

جب تلک جوش بہاراں سے ہوائے دمِ صبح
ٹانکے شبنم سے سرِ دامن صحرا گوہر

ہر برس جشن ترا تجھ کو مبارک ہووے
برسیں نیسانِ کرم سے ترے شاہا گوہر

دوستوں کو ہو ترے گنج گہر روز نصیب
ہو نہ جز اشکِ سرِ دامنِ اعدا گوہر

قصیدہ دوم

بر موقع غسلِ صحت ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ

زہے نشاط ، اگر کیجئے اسے تحریر
عیاں ہو خامے سے تحریرِ نغمہ جائے صریر

زباں سے ذکر اگر چھیڑیے تو پیدا ہو
نفس کے تار سے آوازِ خوش ترا زبم وزیر

ہوا یہ باغِ جہاں میں شگفتگی کا جوش — کلیدِ قفلِ دلِ تنگ و خاطرِ دل گیر
کرے ہے والبِ غنچہ، درِ ہزار سخن — چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر
کچھ انبساط ہوائے چمن سے دور نہیں — جو وا ہو غنچۂ منقارِ بلبلِ تصویر
قفس میں بیٹھے کے بھی شوقِ نغمہ سنجی سے — عجب نہیں کہ ہو رگِ چمن پہ نالہ صفیر
اثر سے بادِ بہاری کے لہلہاتے ہیں — زمیں پہ ہم سرِ سنبل ہے موجِ نقشِ حصیر
نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ تخم فشاں — تو سبز فیض ہوا سے ہو وہ بہ رنگِ شعیر
زمیں پہ گرتے ہی، لے آئے دانہ برگ و ثمر — جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے سبحۂ تزویر
ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ — کہ جیسے جائے کوئی فیلِ مست بے زنجیر
نہ خار دشت ہے، زمیں میں خوابِ مخمل ہے — ہر ایک تارِ رگِ سنگ بھی ہے تارِ حریر
ہوا میں ہے یہ طراوت کہ دودِ گلخن بھی — برستا اٹھے ہے آتش سے مثلِ ابرِ مطیر
یہ آیا جوش میں بارانِ رحمتِ باری — کہ سنگ سنگ میں، سنگِ یدہ کی ہے تاثیر
ہر ایک خار ہے گل، ہر گل اک ساغرِ عیش — ہر اک گہر، گہرِ شب چراغ پُر تنویر
کرے ہے صبح شکر خندہ اس مزے کے ساتھ — کہ جس طرح بہم آمیختہ ہوں شکر و شیر
سنوارتی ہے جو شام اپنی زلفِ مشکیں کو — سوادِ مشکِ ختن پر ہے لاکھ آہو گیر
نہالِ شمع سے ہر شب چنے گلِ شتیہ — بہارِ عیش میں گل چیں کی طرح سے گل گیر
ہنسے چراغ تو ایسے ہنسی میں پھول جھڑیں — حیا سے رنگِ گلِ آفتاب ہو تغیر
رہے ہے چرخ پہ ہر صبح جوں صبوحی کش — بایں درازیِ ریش، آفتاب ساغر گیر
عجب نہیں ہے کہ آرائشِ زمانہ سے — حنائی پنجہ ہوں تاک و چنار و بید انجیر
چمن میں ہے یہ درختانِ سبز پر جو بن — کہ زہر کھاتے ہیں سبزانِ خطۂ کشمیر
نہ کیوں کے دیکھ کے گلشن کو یوں پڑھوں مطلع — کہ آئے ہے نظر اک قدرتِ خدائے قدیر

مطلعِ ثانی

ظہورِ نرگس و گل، جلوۂ سمیع و بصیر — نسیمِ نکہتِ گل، مظہرِ لطیف و خبیر

شمیمِ عیش سے ہے یہ زمانہ عطر آگیں
کہ قرصِ عنبر اگر ہے امیں تو گرد، عبیر

حمل سے حوت تلک جا بہ جا ہیں تصویریں
بنا ہے عالمِ بالا بھی عالمِ تصویر

جہاتِ ستہ سے بزمِ جہاں ہے وسعت خواہ
کہ ہے ہجومِ نشاط و سرور جمِ غفیر

زمانہ دشمنِ عشرت کا اس قدر قاتل
مہِ صیام کو سیکھے نہ کوئی بے شمشیر

ہوا ہے مدرسہ یہ بزم گاہِ عیش و طرب
کہ شمسِ بازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدرِ منیر

اگر پیالہِ ہے صغریٰ تو ہے سبو، کبریٰ
نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہیں صغیر و کبیر

زمینِ مے کدہ یہ خندۂ نشاط انگیز
کہ لائے مے سے ہو دیوارِ قہقہہ تعمیر

دیا ہے رنج کو دھو تیرے غسلِ صحت نے
ضمیرِ خلق سے اے بادشاہِ پاک ضمیر

عجب نہیں یہ ہوا سے کہ محلِ نبضِ صحیح
کرے اگر حرکت موجِ چشمۂ تصویر

شہنشہا ! ترے یُمنِ شفائے کامل سے
جو لا علاج مرض تھے وہ ہیں علاج پذیر

کہ چوبِ گل کو اگر ماریں بیدِ مجنوں پر
تو صورتِ بشر ہوش مند خوش تقدیر

اشارہ فہم ہو ایسا کہ وہ بیان کرے
زبانِ برگ سے گونگے کے خواب کی تعبیر

جو میلِ کحلِ بصارت ہو کلکِ خطِ غبار
تو چشمِ دائرۂ عین بھی ہو چشمِ بصیر

نہ موجِ مے کو ہو پیچش، نہ شیشہ لے ہچکی
گئی جہاں سے یہ بیماریِ فواق و زحیر

نہ برق کو تپِ لرزہ، نہ ابر کو ہو زکام
نہ آب میں ہو رطوبت، نہ خاک میں تبخیر

بدل گئی ہے حلاوت سے تلخیِ دارو
شرابِ تلخ بھی ہو مے کشوں کو، شربت و شیر

قوی ہے قوتِ تاثیر سے دوائے طبیب
غنی قبول کی دولت سے ہے دعائے فقیر

شکستِ دل کو ترے یُمنِ تن درستی سے
کرے درست اگر مومیائی تدبیر

تو موئے کاسۂ چینی کو چارہ سازِ قضا
نکالے کاسۂ چینی سے مثلِ موئے خمیر

کھجائے سر کبھی جو مفسدانِ سرکش کا
علاجِ خارشِ سر ہو بہ ناخنِ شمشیر

بنائے نقشِ شفاخانۂ ہزار شفا
ہر ایک خانۂ تعویذ، صاحبِ تکسیر

ہر ایک اسمِ عزیمت میں اسمِ اعظم ہے
ہر ایک نسخۂ، شفا میں ہے نسخۂ اکسیر

رہا نہ کوئی گرفتارِ رنجِ عالم میں
چھٹے جو تیرے تصدق میں مجرمانِ اسیر

شہا ! ہے دم سے ترے زندگانیِ عالم
یہ تیرا دم ہے وہ اعجازِ عیسوی تاثیر

مثالِ خضر تو اے رہ نمائے ملت ودیں
جہاں میں پیر ہو، پر ہو کرامتوں سے پیر

تو وہ ہے حامیِ دنیا ودیں زمانے میں
کہ تجھ سے زیب ہے دنیا کو دین کو توقیر

کیا شہانِ سلف نے سحر ایک جہاں
کیے ہیں تو نے شہنشاہ! دو جہاں تسخیر

سحر سے شام تلک زرفشاں ہے پنجۂ مہر
نثار کرتا ہے ہر روز ایک گنجِ خطیر

فلک پہ کرتا ہے ہر شب ادا جو سجدۂ شکر
نشانِ سجدہ ہے زیبِ حسینِ ماہِ منیر

یہ روزِ بہ سے ترے ہے جواں جہانِ کہن
کہے نہ کوئی دوشیزے کو بھی جہاں میں پیر

حیات بخشِ جہاں تیرا مژدۂ صحت
جو بخشے خلق کو عمرِ طویل وعیشِ کثیر

ہزاروں سال، سرِ ہر صدی نکال کر دانت
ہنسیں اجل پہ جوانوں کی طرح مردمِ پیر

جہاں کو یوں تری صحت کے ساتھ ہے صحت
صحیح جیسے کہ قرآن ہو مع تفسیر

یہ وہ خوشی ہے کہ فربہ ہوں جس سے روز بروز
ہلالِ بست ونہم کی طرح بدن کے حقیر

پڑھوں ثنا میں تری اب وہ مطلعِ روشن
کہ جس کا مطلعِ خورشید بھی نہ ہووے نظیر

مطلعِ ثالث

شہنشہا! وہ تری روشنیِ رائے منیر
عقولِ عشرہ کے انوار جس کے عشرِ عشیر

جو ہو نہ تابعِ امرِ "تشاورِ فی الامر"
تو عقلِ کل کو کرے تو نہ ہرگز اپنا مشیر

جو ہیں نکاتِ معانی، بشر کے فہم سے دور
وہ تیرے ذہن میں موجود سب قلیل وکثیر

اگر ہے سہو کو کچھ دخل حافظے میں تو یہ
نہ اپنا یاد ہے احساں، نہ اور کی تقصیر

جو ہے حیا متعلق تری نگاہ کے ساتھ
تو ہے صفائی کی جانب تری صفا کی ضمیر

ترا تو سینہ بھی یوں ہے داخلِ حسنات
کہ جیسے صحبتِ اصحاب کہف میں قطمیر

کرے ہے سلبِ تغیر کو ذاتِ حادث سے
زمانہ عدل سے تیرے یہ اعتدال پذیر

مجال کیا کہ ترے عہد میں شرر کی طرح
اٹھائیں سر کو شرارت سے سرکشانِ شریر

ہوا میں آکے جو کرتا ہے سرکشی شعلہ
تو چنگیاں دلِ آتش میں لے ہے آتش گیر

ترے نسق سے جو بالکل رہی نہ خوں ریزی
لڑائیوں میں کہیں پھوٹتی نہیں نکسیر

جو پہنچے بت کدے میں تیرا شورِ دیں داری
بلند نالۂ ناقوس سے بھی ہو تکبیر

کیا یہ کفر کو، اسلام نے ترے معدوم
کہ کوئی زلفِ بتاں پر نہ کر سکے تکفیر

جہاں میں چشم سیہ مست یار کا ہوی رنگ
جو مے کشوں کو ترا احتساب دے تعزیر

پڑے گلے میں رسن خطِ سُرمہ سے اس کے
رہے مدام وہ گردش میں از پئے تشہیر

وہ برقِ قہر خدا تیری تیغ آتشِ دم
کہ جس کی آنچ، ترے دشمنوں کو نارِ سعیر

جو ہے خدنگ کا تیرے نشانہ چشمِ حسود
تو ہے تفنگ کا تیرے، دلِ عدو نخچیر

ترے نہیب سے ہوں شکلِ فلس ماہی الگ
کریں نہ حلقۂ جوہر، رفاقتِ شمشیر

جو تیر نکلے کماں سے تری، وہ ہو جاوے
طلب میں جانِ عدو کی رواں قضا کا سفیر

ترے ہے خامۂ طغرانگار میں یہ زور
جو کھینچے اک روشِ خطِ منحنی وہ لکیر

تو اس سے ایسے ہوں اشکال ہندسی پیدا
مٹا دے دیکھ کے اقلیدس اپنی سب تحریر

وہ روشنی ترے خط میں کہ ہیں مقلہ اگر
لگائے آنکھوں سے سرمے کی جاتری تحریر

تو ہو یہ نورِ بصارت کہ پڑھ لے حرف بہ حرف
جو ہووے لوحِ جبیں پر نوشتۂ تقدیر

رقم میں گر ترے اوصاف کی قصور کرے
زبانِ خامہ، عطارد کی ناک میں دے تیر

ترا سمند ہے وہ تیز رو کہ وقتِ خرام
نظر ہو دیدۂ زرقا کی بھی نہ اس کا نظیر

کہ سیر گاہِ دو عالم تو راہ یک روزہ
اور اس کا شرق سے تا غرب عرصہ گاہ مَسیر

ترے جو فیل کی تعریف خسروا! لکھوں
کروں حکایت شیریں وہ کوہ کن تحریر

کہ فیلِ کوہ، کجک تیشہ، فیل باں فرہاد
وہ دونوں دانت صفا ایک ایک جوئے شیر

چلے نہ اشرفی آفتاب عالم میں
خطِ شعاع سے اس پر جو ہو نہ یہ تحریر

''ابوظفر، شہِ والا گہر، بہادر شاہ
سراجِ دین نبی، سایۂ خدائے قدیر

شہِ بلند نگہ، شہریار والا جاہ
خدیو مہر کُلہ، خسروِ سپہر سریر''

جہاں مسخر و عالم مطیع و خلق مطاع
فلک موید و اختر معین و بخت نصیر

زمیں ہو سبز جو تیرے سحابِ بخشش سے
تو بوٹی بوٹی سے ہر خاک کی، بنے اکسیر

بہ چشمِ مہر اگر نیرا نیرِ اقبال
کرے نگاہ سرِ آب جود آبِ غدیر

تو فلس فلس سے ہو ماہیوں کے وقتِ شکار — نگینِ دستِ سلیماں، بہ دستِ ماہی گیر
نہ ہے ثنا کے لیے تیری اختتام وتمام — نہ ہے دعا کے لیے تیری انتہا واخیر
مگر یہ ذوقِ ثنا سنج ومدح خواں تیرا — غلامِ پیر کہن سال، اک فقیر حقیر

کرے ہے دل سے دعا یہ سدا فقیر انہ
سنا ہے جب سے کہ رحمِ خدا، دعائے فقیر

قصیدہ سوم

در مدح ابوظفر بہادر شاہ

ساون میں دیا پھر مہِ شوّال دکھائی — برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی
کرتا ہے ہلال ابروئے پُرخم سے اشارہ — ساقی کو کہ پھر بادہ سے کشتی طلائی
ہے عکس نگن جامِ بلوریں سے مے سُرخ — کس رنگ سے ہوں ہاتھ نہ مے کش کے حنائی
کوندے ہے جو بجلی تو یہ سوجھے ہے نشے میں — ساقی نے ہے آتش سے مے تیز اُڑائی
یہ جوش ہے باراں کا کہ افلاک کے نیچے — ہووے نہ تمیز کرۂ ناری و مائی
پہنچا کمکِ لشکرِ باراں سے ہے یہ زور — ہر نالے کی ہے دشت میں دریا پہ چڑھائی
ہو قلزمِ عماں پہ لب جو متبسم — تالاب سمندر کو کرے چشم نمائی
ہے کثرتِ باراں سے ہوئی عام یہ سردی — کافور کی تاثیر گئی جو زمیں پائی
سردی حنا پہنچے ہے عاشق کے جگر تک — معشوق کا گر ہاتھ میں ہے دستِ حنائی
عالم یہ ہوا کا ہے کہ تاثیرِ ہوا سے — گردوں پہ ہے خورشید کا بھی دیدہ ہوائی
کیا صرف ہوا ہے طرب وعیش سے عالم — ہے مدرسے میں بھی سبقِ صرفِ ہوائی
خالی نہیں مے سے روشِ دانۂ انگور — زاہد کا بھی ہر دانہ تسبیح ربائی
جو آئینہ دل ہے وہ عاشق کی بغل میں — گویا کہ ہے مینائے مئے کاہ رہائی
کرتی ہے صبا آکے کبھی مشک فشانی — کرتی ہے نسیم آکے کبھی غالیہ سائی

تھا سوزنیِ خار کا صحرا میں جہاں فرش
سبزے نے وہاں تخملِ خوش رنگ بچھائی

آرائشِ گل کے لیے ہے جامۂ رنگیں
زیبائشِ غنچہ کے لیے تنگ قبائی

ہے نرگسِ شہلا نے دیا آنکھ میں کاجل
برگِ گلِ سوسن نے دھڑی لب پہ جمائی

ابرو پہ کرے قوسِ قزح دسمہ تو خورشید
سرخی شفق سے کرے ریش اپنی حنائی

رخسارۂ گل چیں کا ہے سرخی سے یہ عالم
جوں وقتِ غضب چہرۂ ترکانِ خطائی

کیا ساغرِ رنگیں کو کیا جلد مہیا
نرگس نے تو سرسوں ہی ہتھیلی پہ جمائی

ہوتی متحمل نہیں اک ساغرِ گل کی
شاخِ گل احمر کی نزاکت سے کلائی

اعجازِ نوا سنجیِ مطرب سے چمن میں
ہر خار کی ہے نوکِ زباں شعر نوائی

حیرت کی نہیں جائے کہ دیوارِ چمن پر
ہر طائرِ تصویر کرے نغمہ سرائی

شاہا! ترے جلوے سے ہے یہ عید کو رونق
عالم نے ہے تجھے دیکھ کے ہے عید منائی

کہتے ہیں مہِ نو جسے، ابرو نے وہ تیرے
کی آئینۂ چرخ میں ہے جلوہ نمائی

پرتو سے ترے جامِ مئے عیش سرِ بزم
لے ساغرِ جمشید کرے کاروائی

نیکے لب ساغر سے وہ قطرہ گروی شکل
ہو مثلِ فلک جس میں تماشائے خدائی

کیا علم سمائے ترا سینے میں فلک کے
دریا کی کہاں ہو سکے کاسے میں سمائی

پڑھتا ہوں ترے سامنے وہ مطلعِ موزوں
''احسنت'' کہیں سن کے بہائی وسنائی

یوں کرسیِ زر پر ہے تری جلوہ نمائی
جس طرح سے مصحف ہو سرِ رحلِ طلائی

رکھتا ہے تو وہ دستِ سخا سامنے جس کے
ہے بحر بھی کشتی بکف از بہرِ گدائی

گم رہ کو ہدایت جو تری راہ پہ لادے
رہ زن بھی اگر ہو تو کرے راہ نمائی

تا ناخنِ شمشیر نہ ہو ناخنِ تدبیر
دشمن کی ترے ہو نہ کبھی عقدہ کشائی

خورشید سے افزوں ہو نشاں سجدے کا روشن
گر چرخ کرے در کی ترے ناصیہ سائی

عکسِ رخِ روشن سے ترے جوں یدِ بیضا
کرتا ہے کفِ آئینہ اعجاز نمائی

کرتا ہے تری نذر سدا نقدِ سعادت
ہے مشتریِ چرخ کی کیا نیک کمائی

اک مرغ ہوا کیا ہے کہ سیمرغ نہ چھوڑے
گر سر بہ ہوا ہوئے ترا تیرِ ہوائی

ہر کوہ اگر کوہِ صفا ہو تو عجب کیا
ہو فیض رساں جب ترے باطن کی صفائی

ہر شعر غزل میں ترے معنیِ شفا ہیں
قربان غزل کے ترے دیوانِ شفائی

مانع جو ہوا دست درازی کو ترا عدل
پروانے کو بھی شمع نے انگلی نہ لگائی

زنجیر میں جوہر کی رہے تیغ ہمیشہ
خوں ریز کو ہو عہد میں تیرے نہ رہائی

دیتا ہے دعا ذوقؔ کہ مضمونِ ثنا میں
ہے ذہن رسا کو یہ کہاں اس کے رسائی

ہر سال شہا! ہووے مبارک یہ تجھے عید
تو مسندِ شاہی پہ کرے جلوہ نمائی

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

قصیدہ اوّل

در منقبت حضرت علیؓ

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینہ فرقِ جنون و تمکیں

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبارت معلوم
دردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا باد بہ دستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم خاک بہ فرقِ تمکیں

عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حُسنِ یقیں

کوہ کن گرسنہ مزدورِ طرب گاہ رقیب
بے ستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز؟
کس نے پایا اثرِ نالۂ دل ہائے حزیں؟

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن
نہ سرود برگِ ستایش نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ!
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقش لاحول لکھ ای خامۂ ہذیاں تحریر!
یا علیؑ عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں!

مظہرِ فیضِ خدا جانِ دلِ ختمِ رسلؐ
قبلۂ آلِ نبیؐ کعبۂ ایجادِ یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجادِ جہاں گرمِ خرام
ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدمِ اُس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

بُرشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہوجائے نہ سررشتۂ ایجاد کہیں

کفرسوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح رونق بت خانہ چیں

جاں پناہا! دل وجاں فیض رسانا! شاہا!
وصیِ ختمِ رسلؐ تو ہے بہ فتوائے یقیں

جسم اطہر کو ترے دوشِ پیمبرؐ منبر
نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب؟
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینہ سنگ
رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلؑ امیں

تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جان ودل ودیں

تیری مدحت کے لیے ہیں دل وجاں کام وزباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح وقلم دست وجبیں

کس سے ہوسکتی ہے مدّاحیِ ممدوحِ خدا؟
کس سے ہوسکتی ہے آرائشِ فردوس بریں؟

جنسِ بازارِ معاصی اسداللہ اسدؔ
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخی طلب
ہے ترے حوصلۂ فضل پر از بس کہ یقیں

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو الفتِ دلدل میں یہ گرمیِ شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں

دلِ الفت نسب وسینۂ توحید فضا
نگہ جلوہ پرست ونفسِ صدق گزیں

صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقفِ احباب گل وسنبلِ فردوسِ بریں

قصیدہ دوم
در مدح بہادر شاہ ظفر

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کررہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب؟ بندۂ عاجز ہے گردشِ ایام
اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص حبّذا اے نشاطِ عامِ عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک ہی ہے امید گاہِ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش غالبؔ اس کا مگر نہیں ہے غلام
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو تب کہا ہے بہ طرزِ استفہام
مہرِ تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ قربِ ہر روزہ برسبیلِ دوام
تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا جز بہ تقریب عیدِ ماہ صیام
جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہ بن، ماہتاب بن ، میں کون؟ مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرّ فروغ کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام
جب کہ چودہ منازلِ فلکی کر چکے قطع تیری تیزیٔ گام
تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر کوے ومشکوے وصحن ومنظر وبام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا ہلک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا تو سنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟
مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں غم سے جب ہوگئی ہو زیست حرام

بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے ! کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد چرخ نے جس سے لی ہے گردشِ وام

بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالبؔ اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ اے پری چہرہ ! پیک تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن نام شاہنشہ بلند مقام

قبلۂ چشم ودل بہادر شاہ مظہرِ ذوالجلال والا کرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف نو بہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز جس کا ہر قول معنیٔ الہام

بزم میں میزبانِ قیصر و جم رزم میں اوستادِ رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا اے ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور خسروانہ شکوہ لوحش اللہ عارفانہ کلام

جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے ایرج و تور و خسرو و بہرام

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے گیو و گودرز و بیژن و رہام

مرحبا موشگافیٔ ناوک آفریں آب داریِ صمصام

تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف تیغ کو تیری تیغِ خصمِ نیام

رعد کا کررہی ہے کیا دم بند برق کو دے رہا ہے کیا الزام

تیرے فیل گراں جسد کی صدا تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

فنِ صورت گری میں تیرا گزر گر نہ رکھتا ہو دست گاہِ تمام

اس کے مضروب کے سروتن سے کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام

جب ازل مین رقم پذیر ہوئے — صفحۂ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق میں بہ کلک قضا — مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش — لکھ دیا عاشقوں کو دشمنِ کام
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں — گنبد تیز گرد ، نیلی فام
حکم ناطق لکھا گیا کہ ، لکھیں — خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب وباد و خاک نے لی — وضع سوز و نم رم و آرام
مہر رخشاں کا نام خسرو روز — ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی — دی بدستور صورتِ ارقام
کاتب حکم نے بموجب حکم — اس رقم کو دیا طرازِ دوام

ہے ازل سے روائی آغاز
ہو ابد تک رسائی انجام

قصیدہ سوم

در مدح بہادر شاہ ظفر

صبح دم دروازۂ خاور کھلا — مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
سطح گردوں پہ پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر — اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِّ سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

بزم سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن واماں کا دَر کھلا

تاج زرّیں مہرِ تاباں سے سوا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا

شاہِ روشن دل بہادر شہ کہ ہے
رازِ ہستی اس پہ سرتاسر کھلا

وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نہ چرخ وہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے
عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا

روشناسوں کی جہاں فہرست ہے
واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب
تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا

نقشِ پا کی صورتیں وہ دل فریب
تو کہے بُت خانۂ آذر کھلا

مجھ پہ فیضِ بیت سے شاہ کی
منصب مہر ومہ ومحور کھلا

لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
میرے حدّ وسع سے باہر کھلا

تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید
کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا

باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس
لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

کنج پر بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے؟
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کماں؟
کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ؟
رہ روی میں پردۂ رہبر کھلا

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک!
آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالبؔ سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحتِ طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

خامے نے پائی طبیعت سے مدد
بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ
یاں عرض سے رتبۂ جوہر کھلا

مہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایت لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علوِ پایہ منبر کھلا

سکّہ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیارِ آبروئے زر کھلا

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ
اب تأملِ سعیِ اسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا

ہو سکے کیا مدح؟ ہاں ایک نام ہے
دفترِ مدحِ جہاں داور کھلا

فکر اچھی پر ستائش ناتمام
عجز اعجاز ستائش گر کھلا

جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل
تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا

تم کرو صاحب قرآنی جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

مولوی محمد محسن محسنؔ کاکوروی

۱۸۲۷ء تا ۱۹۰۵ء

نعتیہ قصیدہ : مدیح خیر المرسلینؐ

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا میں بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابرِ سیاہ
کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

دہر کا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل

ابر پنجاب طلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برق بنگالۂ ظلمت میں ہے گورنر جنرل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا نہ ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب ملا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

تہ و بالا کیے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

کبھی ڈوبی کبھی اُچھلی مہِ نو کی کشتی
بحرِ اخضر میں طلاطم سے پڑی ہے ہلچل!

قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاجِ عالی
لالۂ باغ سے ہندوے فلک کھیم کسل!

شب دیجور اندھیرے میں ہے بادل کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشم کافر میں لگائے ہوئے کافر کا جل

جو گیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے بربت پر بچھائے کمل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید
ہے یہ اندھیرے مچائے ہوئے تاثیر زحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لے کر مشعل

نور کی پتلی ہوئی پردۂ ظلمت میں نہاں
چشمِ خورشید جہاں بیں میں ہیں آثار سبل

آتشِ گل کا دھواں بامِ فلک تک پہنچا
جم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی
قلعۂ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل

فیض ترطیب ہوا نے یہ دکھائی تاثیر
زرِ محلول ہے اخگر تو کھرل ہے منقل

آب آئینۂ تموج سے بہا جاتا ہے
کہیے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبھل

آج یہ نشوونما کا ہے ستارہ چمکا
شاخ میں کاہکشاں کی نکل آئی کونپل

دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار
دیدۂ نرگسِ شہلا کو نہ سمجھو احول

خضر فرماتے ہیں سُنبل سے تری عمر دراز
پھول سے کہتے ہیں پھلتا رہے گلزارِ اہل

عطر افشاں ہے شبیہِ گلِ نسرین وسمن
نخلِ داؤدیِ موسیٰ سے ٹپکتا ہے عسل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر
مصحفِ گل کی حواشی پہ طلائی جدول

ہم زباں وصفِ چمن میں ہوئے سب اہلِ چمن
طوطیوں کی جو ہے تضمینِ نو بلبل کی غزل

تختِ طاؤسی گلشن پہ ہے سایہ کیے ابر
چتر کھولے ہوئے فرق شہِ گل پر سُنبل

جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

آہِ قمری میں مزہ اور مزے میں تاثیر
سرو میں دیکھیے پھول آنے لگے پھول میں پھل

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل
سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل

پھول ٹوٹے ہوئے پھرتے روشوں پر ہیں نسیم
یا سڑک پر ہیں ٹہلتے ہوئے گلگوں کو تل

شجرۂ پیر مغاں میں نکل آئیں شاخیں
حرمتِ دخترِ رز میں نظر آتا ہے خلل

ساتھ ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر کے ٹکڑے
شجرۂ آہِ رسا میں نکل آئی کونپل

سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخیِ لب
چمن حسن سے لال اڑ گئے بن کر ہریل

صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح
پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل

خندہائے گل و قالین سے ہوا شورِ نشور
کیا عجب ہے جو پریشان ہے خوابِ مخمل

طرفہ گردش میں گرفتار عجب پھیر میں ہے
سرمہ ہے نیند مرے دیدۂ بیدار کھرل

شاخِ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالانِ گلستاں کو سنائے یہ غزل

غزل

سمتِ کاشی سے گیا جانبِ صحرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

شاہدِ گل کا لیے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل

سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی
روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل

چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے
سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں
ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل

بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں
وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل

چشمۂ مہر ہے عکسِ زرِ گل سے دریا
پرتوِ برق سے ہے سونے کا بجرا بادل

میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش
کسی بے درد کو دکھلائے کرشمہ بادل

دلِ بے تاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی
چشمِ پُر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل

طپشِ دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی
چشمِ پُر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل

اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے
میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل

کچھ ہنسی کھیل نہیں جوششِ گریہ کا ضبط
یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل

جامِ عمرِ فلکِ پیر ہوا ہے لبریز
لیے آتا ہے جنازہ دیئے کاندھا بادل

راجہ اندر ہے پری خانۂ مے کا پانی
نغمۂ نے کا سری کرشن کنھیا بادل

جوشِ پر رحمتِ باری ہے چڑھاؤ خمِ مے
چشمکِ برق سے کرتا ہے اشارہ بادل

دیکھتا گر کہیں محسنؔ کی فغان و زاری
نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعدِ غزل
کہ ہے چکر میں سخن گو کا دماغ، مختل

باغ میں ابرِ سیہ مست چڑھا کر آیا
جامِ خورشید مع میکدہ و برجِ حمل

چشمِ مے کش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب
پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل

جام بے بادہ سے کہتے ہیں کہ رندوں کو نہ چھیڑ
دستِ بے جام سے کہتے ہیں کلیجوں کو نہ مل

گوہرِ دل کو بڑی سنگ دلی سے پیسا
کشتیِ مے کو بنایا مرے ساقی نے کھرل

کیسی افسردگی کیا بات ہے مرجھانے کی
غنچہ کہتا ہے کہ لجالو سے کہ گلشن سے نکل

سیر میں دشت کی مصروف ہے جو پاؤں ہے لنگ
شغل میں چاک گریباں کے ہے جو ہاتھ ہے شل

مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لیے
سربازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل

مئے گل رنگ ہے کیا شمعِ شبِ فکر کا پھول
چلتے چلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہے پھسل

کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریرِ نئے کلک
کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل

ہے سخن گو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر
ہوگئی نظم کی انشا و خبر سب مہمل

دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور
لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استل

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چنبل

چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل
نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینۂ مضمون کی دوچنداں صیقل

روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

اک ذرا دیکھئے کیفیتِ معراجِ سخن
ہاتھ میں جامِ زحل شیشہ مہ زیرِ بغل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمنِ برقِ تجلی کا لقب ہے بادل

تارِ بارانِ مسلسل ہے ملائک کا درود
پئے تسبیح خداوندِ جہاں عزّ وجل

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوسِ بریں
کہیں بہتی ہوئی نہرِ لبن و نہرِ عسل

کہیں جبریلؑ حکومت پہ کہیں اسرافیل
کہیں رضواں کا کہیں ساقیِ کوثر کا عمل

کنزِ مخفی کے کسی سمت نہاں تہ خانے
اک طرف مظہرِ قدرت کے عیاں شیش محل

عاشق جلوہ طلب گار کہیں چشمِ قبول
ناز معشوق کے پردے میں کہیں حسنِ عمل

گل بے رنگیٔ مطلق سے لہکتے گل زار
بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل

باغِ تنزیہ میں سر سبز نہالِ تشبیہ
انبیا جس کی ہیں شاخیں عُرفا ہیں کوپل

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی
زیب دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول

مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول

مرجعِ روحِ امیں زیبِ دہِ عرشِ بریں
حامیٔ دینِ متیں، ناسخِ اریان و ملل

ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ
چار اطرافِ ہدایت میں نبیِ مرسل

جی میں آتا ہے لکھوں مطلعِ برجستہ اگر
وجد میں آکے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل

منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل
کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اوّل

دورِ خورشید کی بھی حشر میں ہوجائے گی صبح
تا ابد دورِ محمدؐ کا رہے روزِ ازل

شبِ اسریٰ میں تجلی سے رخِ انور کی
پڑ گئی گردنِ رفرف میں سنہری ہیکل

سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرشِ بریں
خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل

افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب
اولیت پہ تری متفق ادیان وملل

لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم
قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی متاصل

مجتبیٰ جاہ میں اعلیٰ کے ہیں معنی ادنیٰ
مصرفِ جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل

شانہ حضرت کا ہے تشدیدِ دو لام واللیل
صادِ ما زاغ بصر سرمۂ چشمِ اکحل

جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات وہبل

تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہہ
شانِ بیرنگی مطلق ہے تجھے رنگ محل

ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام
بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل

ہوسکا ہے کہیں محبوبِ خدا غیرِ خدا
اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشمِ احول

رفع ہونے کا نہ تھا وحدت کثرت کا خلاف
میمِ احمدؐ نے کیا آکے یہ قصہ فیصل

نظر آئے مجھے احمدؐ میں اگر دالِ دوئی
روزِ محشر ہوں الٰہی مری آنکھیں احول

پھر اسی طرز کی مشتاق ہے مؤاجی طبع
کہ ہے اس بحر میں اک قافیہ اچھا بادل

غزل

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل

چھوڑ کر مے کدۂ ہندو صنم خانۂ برج
آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل

سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا
شہسوارِ عربی کے لیے کالا بادل

بحرِ امکاں میں رسول عربی دُرِ یتیم
رحمتِ خاص خداوند تعالا بادل

قبلۂ اہل نظر کعبۂ ابروئے حضور
موئے سر قبلے کو گھیرے ہوئے کالا بادل

رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق
برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلا بادل

دور پہنچی لب جاں بخشِ نبیؐ کی شہرت
سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرتِ عیسیٰ بادل

چشمِ انصاف سے دیکھ آپ کے دندانِ شریف
دُرِ یکتا ہے ترا گرچہ یگانہ بادل

تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پر
شب معراج میں تھا عرشِ معلا بادل

آمد و رفت میں تھا ہم قدمِ برق، براق
مرغزارِ چمن عالم بالا بادل

ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجایا ڈنکا
تھا تری عام رسالت کا گرجتا بادل

دینِ اسلام تری تیغِ دو دم سے چمکا
یا اٹھا قبلے سے دیتا ہوا کاندھا بادل

آستانے کا ترے دہر میں وہ رتبہ ہے
کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل

تو وہ فیاض ہے کہ در پر ترے سائل کی طرح
فلکِ پیر کو لایا دیئے کاندھا بادل

تیغ میدانِ شجاعت میں چمکتی بجلی
ہاتھ گلزارِ سخاوت میں برستا بادل

محسنؔ اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہوں پھول ہر اک پھول میں پھل

آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

نامِ احمدؐ بزبانِ سربلا میم بصدر
لب پہ ہو صلِ علیٰ دل میں مرے عزوجل

روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
کہ مری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل

دمِ مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا ترے
فکر فردا تو نہ کر دیکھا لیا جائے گا کل

یادِ آئینۂ رخسار سے حیرت ہو مجھے
گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا
نہ اٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بے کل

رخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ فنا
مرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل

حذف ہوں میرے گناہانِ ثقیل اور خفیف
آئیں میزان میں جب افعال صحیح و معتل

میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ
عارضِ شاہدِ محشر ہو اگر حسنِ عمل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو ایسا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے ہاں بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

☆☆☆

منتخب مراثی

ترتیب

۱۔ میر ببر علی انیسؔ ۶۳

۱۔ مرثیہ اول : نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری ۶۳

۲۔ مرثیہ دوم : فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے ۷۶

۳۔ مرثیہ سوم : جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے ۹۳

۲۔ مرزا سلامت علی دبیرؔ ۱۲۷

۱۔ مرثیہ اول : دست خدا کا قوت بازو حسین ہے ۱۲۷

۲۔ مرثیہ دوم : کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ۱۴۵

۳۔ مرثیہ سوم : پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی ۱۶۱

میر ببر علی انیس

۱۸۰۳ تا ۱۸۷۴ء

مرثیہ اوّل

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری — ناطقے بند ہیں، سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبادت میری — شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری
عُمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پُشت ہے شبّیر کی مدّاحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں — بحرِ موّاجِ فصاحت کا تلاطم کردوں
ماہ کو مہر کروں، ذرّے کو انجم کردوں — گُنگ کو، ماہرِ اندازِ تکلّم کردوں
دردِ سر ہوتا ہے، بے رنگ نہ فریاد کریں
بُلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

اس ثنا خواں کے بزرگوں میں کیا کیا مدّاح — جدِ اعلا سا نہ ہوگا کوئی اعلا مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے، دادا مدّاح — عمِ ذی قدر، ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا، نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

خلق میں مثلِ خلیقؔ اور تھا خوش گو کوئی کب — نام لے، دھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بُلبُلِ گلشنِ زہراؔ و علیؔ، عاشقِ رب — متّبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سب
ہو اگر ذہن میں جَودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے، وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال — جن کا سینہ گُہرِ علم سے ہے مالا مال

یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ سلاست، یہ کمال　　معجزہ گر اسے کہیے نہ تو ہے سحرِ حلال

اپنے موقع پہ جسے دیکھیے، لاثانی ہے

لطف حضرت کا یہ ہے، رحمتِ یزدانی ہے

کیوں نہ ہو، بندۂ موروثیِ مولا ہوں میں　　قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرا ہوں میں

جس میں لاکھوں دُرومرجاں ہیں، وہ دریا ہوں میں　　مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں

وصف جوہر کا کروں، یا صفتِ ذات کروں

اپنے رتبے پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

مبتدی ہوں، مجھے توقیر عطا کر یارب!　　شوقِ مدّاحیِ شبّیر عطا کر یارب!

سلکِ گوہر ہو، وہ تقریر عطا کر یارب!　　نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب!

جدّ وآبا کے سوا، اور کی تقلید نہ ہو

لفظ مُغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو، تعقید نہ ہو

وہ مُرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور　　ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور

غل ہو، یہ ہے کششِ مُوقلمِ طرّۂ حُور　　ایک اک حرف میں ہو صنعتِ صانع کا ظہور

کوئی ناظر، جو یہ نایاب نظیریں سمجھے

نقشِ ارژنگ کو، کاواک لکیریں سمجھے

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ　　شمعِ تصویر پہ کرنے لگیں آ آ کے پتنگ

صاف حیرت زدہ مانی ہو، تو بہزاد ہو دنگ　　خوں برستا نظر آئے، جو دکھا دوں صفِ جنگ

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی

بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روز مرّہ شرفا کا ہو، سلاست ہو وہی　　لب ولہجہ وہی سارا ہو، متانت ہو وہی

سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی　　یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی

لفظ بھی چُست ہوں، مضمون بھی عالی ہووے

مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

ہے کجی عیب، مگر حُسن ہے ابرو کے لیے　　سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے

تیرگی بد ہے، مگر نیک ہے گیسو کے لیے　　زیب ہے خالِ سیہ چہرۂ گُل رو کے لیے

داند آنکس کہ فصاحت بکلامی دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامی دارد

بزم کا رنگ جُدا، رزم کا میداں ہے جُدا　　یہ چمن اور ہے، زخموں کا گلستاں ہے جُدا
فہمِ کامل ہو تو، ہر نامے کا عنواں ہے جُدا　　مختصر پڑھ کے، رُلا دینے کا ساماں ہے جُدا

دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محفوظ ہوں، رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

ماجرا صحِ شہادت کا بیاں کرتا ہوں　　رنج واندوہ مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں　　جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں

جن کا ہمتا نہیں، ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے، نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور　　زمزمے کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور　　یک بہ یک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور

شش جہت میں رُخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا، چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں، وہ بیابان، وہ سحر　　دم بہ دم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر　　لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر

دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بُلبلوں کی وہ صدائیں، وہ گلوں کی خوش بو　　دل کو اُلجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں، شمشاد پہ، یاہُو، یاہُو　　فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی، کُو کُو کُو

وقت تسبیح کا تھا، عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد وثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں　　اُس طرف طبل بجے، یاں ہوئی لشکر میں اذاں

وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث وقرآں　　وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں

زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھی کہ سجدے کیے تلواروں میں

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے، سبحان اللہ !　　کیا رفیقانِ وفادار تھے، سبحان اللہ !
صفدر وغازی وجرار تھے، سبحان اللہ !　　زاہد و عابد وابرار تھے، سبحان اللہ !

زن وفرزند سے فرقت ہوئی، مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

گو مصیبت میں تلاطم میں، تباہی میں رہے　　سر کٹے، پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یُوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے　　جس طرح تیغ دودَم دستِ سپاہی میں رہے

اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی ان کو
آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

موم فولاد ہو، آوازوں میں وہ سوز گداز　　اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز ونیاز
سر تو سجادوں پہ تھے، عرشِ معلّا پہ نماز　　شیر دل، منتخب دہر، وحید وممتاز

چاند شرمندہ ہو، چہرے متجلی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر، نہ مصلّی ایسے

جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار　　کس کے کمروں کو بہ صد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار　　غُلّمِ فوج کو عباس نے کھولا اک بار

دشت میں نکہتِ فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اُس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی، وہ پنجے کی چمک　　شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشیدِ فلک
کہتے تھے صلِ علیٰ عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک　　دنگ تھے سب، وہ سماسے تھا سماں تا بہ سمک

کہیے پستی اسے، جو اوجِ ہُما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض وسما نے دیکھا

وہ عَلَم دار کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف　　گوہرِ بحرِ وفا، نیّرِ دیں، دُرِ نجف

فخرِ حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف　　کس طرح چاند کہوں، چاند میں ہے عیب کلف

کس نے پایا وہ، جو تھا جاہ و حشم ان کے لیے

یہ علم کے لیے تھے اور علَم اِن کے لیے

اک طرف اکبرِ مہ رو سا جوانِ نایاب　　کچھ جو بچپن تھا، تو کچھ آمدِ ایامِ شباب

روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب　　آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب

جس نے ان گیسوؤں میں، رُخ کی ضیا کو دیکھا

شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا حُسنِ رخ، یوسفِ کنعانِ حَسَن　　راحتِ روحِ حسینِ ابنِ علی جانِ حسَن

جسم میں زورِ علی، طبع میں احسانِ حسن　　ہمہ تن خلقِ حسَن، حُسنِ حَسَن شانِ حسَن

تن پہ کرتے تھی نزاکت سے گرانی پوشاک

کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ، اسداللہ کے نواسوں کا جلال　　چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال

نیچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال　　گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال

صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے

مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ　　وہی سارا اسد اللہ کا نقشا، وہی ڈھنگ

سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ　　ولولہ صف کے الٹنے کا، لڑائی کی امنگ

جسم پر تیر چلیں، نیزۂ خوں خوار چلے

شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بہ یک طبل بجا فوج کے گرجے بادل　　کوہ تھرّائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل

پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے، تلواروں کے پھل　　مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل

واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا

فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا یا "حیدر" کا

شورِ میداں میں تھا کہ دلیرو! نکلو　　نیزہ بازی کرو، رہ واروں کو پھیرو، نکلو

فخرِ حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف　　کس طرح چاند کہوں، چاند میں ہے عیب کلف

کس نے پایا وہ، جو تھا جاہ و حشم ان کے لیے

یہ علم کے لیے تھے اور عَلَم اِن کے لیے

اک طرف اکبرِ مہ روسا جوانِ نایاب　　کچھ جو بچپن تھا، تو کچھ آمدِ ایامِ شباب

روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب　　آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب

جس نے ان گیسوؤں میں، رُخ کی ضیا کو دیکھا

شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا حُسنِ رخ، یوسفِ کنعانِ حَسَن　　راحتِ روحِ حسینِ ابنِ علی جانِ حسَن

جسم میں زورِ علی، طبع میں احسانِ حسن　　ہمہ تن خلقِ حسَن، حُسنِ حَسَن شانِ حسَن

تن پہ کرتے تھی نزاکت سے گرانی پوشاک

کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ، اسداللہ کے نواسوں کا جلال　　چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال

نیچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال　　گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال

صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے

مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ　　دی سارا اسد اللہ کا نقشا، وہی ڈھنگ

سُرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ　　ولولہ صف کے الٹنے کا لڑائی کی امنگ

جسم پر تیر چلیں، نیزۂ خوں خوار چلے

شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بہ یک طبل بجا فوج کے گرجے بادل　　کوہ تھرّائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل

پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے، تلواروں کے پھل　　مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل

واں کے جوش بڑھانے لگے دل لشکر کا

فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا "حیدر" کا

شور میدانوں میں تھا کہ دلیرو! نکلو　　نیزہ بازی کرو، رہ واروں کو پھیرو، نکلو

نہر قابو میں ہے، اب پیاسوں کو گھیرو، نکلو　　غازیو! صف سے بڑھو، غول سے شیرو! نکلو

رستمو! دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرّار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا، یا شہِ مرداں مدد ے!　　کعبہ دیں مدد ے، قبلۂ ایماں مدد ے!
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مدد ے!　　دم تائید ہے، اے فخرِ سلیماں مدد ے!

تیسرا فاقہ ہے، طاقت میں کمی ہے مولا!
طلب قوتِ ثابت قدمی ہے مولا!

سامنے بڑھ کے یکا یک صفِ کفار آئی　　جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ یک بار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی　　تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی

ہنس کے منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباس نے کی، جوش ہے جراروں کو　　تیر سب کھاتے ہیں، تولے ہوئے تلواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستم گاروں کو　　مصلحت ہو تو رضا دیجیے غم خواروں کو

روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں، تو منہ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا، مجھے خود ہے شہادت منظور　　نہ لڑائی کی ہوس ہے، نہ شجاعت کا غرور
ان سے منظور نہ تھی جنگ، پر اب ہوں مجبور　　خیر لڑلو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور

ذبح کرنے کے لیے لشکر ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی　　مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ رے حرب، خوشا ضرب زہے جاں بازی　　اڑ گیا ہاتھ بڑھا جو پے دست اندازی

تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اُٹھا جاتے تھے

جس پہ غصے میں گئے، صید پہ شہباز گرا　　یہ کماں کٹ کے گری، وہ قدر انداز گرا

جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا　　نہ اٹھا پھر کبھی ،جو تفرقہ پرداز گرا

ہاتھ منہ کٹ گئے سر اڑ گئے جی چھوٹ گئے

مورچے ہو گئے پامال، پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے،عزیزوں نے کیا عزمِ نبرد　　سر کو نہوڑا کے بھرا سبطِ نبی نے دمِ سرد

ہُوک اٹھی کبھی سینے میں،تو دل میں کبھی درد　　سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد

کوئی گل رُو تو کوئی سروِ سہی بالا تھا

وہ بچھڑنے لگے،گودی میں جنہیں پالا تھا

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال　　لاش پر لاش گری، بھر گیا میدانِ قتال

مورچے سب تہ وبالا تھے،پرے سب پامال　　سرخ رُو خلق سے اٹھے اسد اللہ کے لال

کھیت ایسے بھی کسی فوج میں کم پڑتے ہیں

جو لڑا،سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا　　پتا پتا ہوا تاراج، تو بوٹا بوٹا

باپ بیٹے سے چھٹا،بھائی سے بھائی چھوٹا　　ابنِ زہرا کی کمر جھک گئی ،بازو ٹوٹا

پھر نہ یاور،نہ وہ جاں باز،نہ وہ شیدا تھے

ظہر کے وقت حسین ابنِ علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے　　سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے

دھوپ میں پیاس سے مثلِ گلِ نرمر جھائے　　مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے

دھوپ پڑتی تھی،یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا

نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا

صاحب فوج پہ طاری تھا عجب رنج وملال　　زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال

کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال　　کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال

کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رک جاتے تھے

سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلاتے تھے بے درد کہ اب آپ آئیں　　جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں

مرنے والے نہیں جیتے جو سنا نیں کھائیں　　کاٹ لیں آپ کا سر تن سے جو فرصت پائیں

پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو، حاضر ہوں میں　　نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یاور و ناصر ہوں میں　　شہر و صحرا بھی تمہارا ہے، مسافر ہوں میں

لوٹ لو، پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کلمہ گویو! یہ تمہارے ہی نبی کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی　　جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ، نہ کوئی والی　　ان کو دیکھو کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی

یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

سُن کے، ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب　　گر لکھوں اس کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرّا گیا، ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب　　دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب

اشک خالی اسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلّائے کہ اے زینب و امّ کلثوم!　　تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم　　ہاں جگا دو اسے غش ہو جو سکینہ معصوم

نہیں ملتا جو زمانے سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سُن کے حرم خیمے سے مُضطر دوڑے　　شہ کی آواز پہ سب بے کس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے　　بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے

رو کے چلّائی سکینہ، شہِ والا آؤ
میں تمہیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ

آؤ اچھے مرے بابا، میں تمہارے واری　　دیکھو تم بن، ہیں گلے تک مرے آنسو جاری

آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری ہاتھ پھیلا کے کہو، آ، مری بیٹی پیاری

منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ، نہ شرماؤ تم

اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے کہنے لگی یہ زینب زار ابنِ زہرا! تری مظلومی وغربت کے نثار

آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار شہ نے فرمایا بہن! مر گئے سب مونس ویار

تم نے پالا تھا جسے ہم اسے رو آئے ہیں

علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کے سب سے ہے ندامت زینب! گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت، زینب!

کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب! بھائی جاتا ہے، دکھادو ہمیں صورت، زینب!

نہ تو سر کھولو، نہ منہ پیٹو، نہ فریاد کرو

بھول جاؤ ہمیں، اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا اے مری غم خوار بہن! سہل ہوجاتا ہے جو امر ہو دشوار، بہن!

اپنی ماں کا ہے طریقہ تمہیں درکار بہن! پھر میں کہتا ہوں، سکینہ سے خبردار بہن!

ناز پرور ہے، مرے بعد الم اُس پہ نہ ہو

بُندے کانوں سے اتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا، بعدِ سلام غش تھے تم، پھر گئے دروازے تلک آ کے امام

قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گل فام کاٹیو صبر ورضا سے سفرِ کوفہ و شام

ناؤ منجھدار میں ہے، شور طلاطم جانو

ناخدا جاتا ہے، گھر جانے، بس اب تم جانو

کہہ کے یہ، باگ پھرائی طرف لشکرِ شام پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبی میں کہرام

رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام

سر جھکے ان کے جو کامل تھے زباں دانی میں

اڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں

زخمی ہونے سے، نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں　　تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں

چین کیا چیز ہے، آرام کسے کہتے ہیں

اس پہ شکوہ نہیں کچھ، صبر اسے کہتے ہیں

اس کا پیرا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر　　اس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر

اس کا فرزند ہوں، کی جس نے مہم بدر کی سر　　اس کا دلبر ہوں میں، دی جس کو نبی نے دختر

صاحبِ تخت ہوئے، تیغ ملی، تاج ملا

دوشِ احمدؐ پہ انہیں رتبۂ معراج ملا

بے وطن ہوں، نہ مسافر کو ستاؤ للہ　　قتل کیوں کرتے ہو تم، کون سا میرا ہے گناہ

اب کوئی ساتھ، نہ یاور ہے، نہ لشکر، نہ سپاہ　　تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ

ہاتھ آئے گا نہ انعام، نہ زر پاؤ گے

یاد رکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر　　حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر

چوم کر تیغ کے قبضے کو، پکارے شبیرؑ　　لو خبردار چمکتی ہے علی کی شمشیر

پسرِ فاتحِ صفینؑ و حنینؑ آتا ہے

لو صفیں باندھ رو کو تو، حسینؑ آتا ہے

لو کھینچی تیغِ دو سر، فوج پہ آفت آئی　　لو ہلا قائمۂ عرش، قیامت آئی

فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی　　فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی

چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا

ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے، رخش نے بدلے تیور　　دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر

تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور　　مثلِ طاؤس اڑا گاہ اِدھر، گاہ اُدھر

دم بہ دم گردِ نسیم سحری پھرتی تھی

جھوم کر پھرتا تھا گویا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اٹھا، تیغ دوپیکر چمکی　　برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی

سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی　　کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی

جس طرف آئی وہ نا گن، اسے ڈستے دیکھا

منہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے　　گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے

چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارہ جیسے　　روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا

کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا، کوئی چار　　نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت، نہ سوار

برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار　　غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار

موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی

آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

وہ برش اور وہ چمک اور وہ صفائی اس کی　　کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی

اس کا بازو جو اڑایا تو کلائی اس کی　　جس کی گردن سے وہ گزری اجل آئی اس کی

صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا

سر پہ چمکی تو کمر سے اسے جاتے دیکھا

کبھی چہرہ، کبھی شانہ، کبھی پیکر کاٹا　　کبھی در آئی گلے میں، تو کبھی سر کاٹا

کبھی مغفر، کبھی جوشن، کبھی بکتر کاٹا　　طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا

برشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا

پی گئی خون ہزاروں کا، پہ منہ صاف رہا

نہ رکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری　　نہ کسی تیغ پہ دم بھر، نہ سپر پر ٹھہری

نہ جبیں پر نہ گلے پر، نہ جگر پر ٹھہری　　کاٹ کر زیں کو گھوڑے کی کمر پر ٹھہری

جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی

ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی　　یک بہ یک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی

بڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی　　تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی

غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں

زہر اس کا جو چڑھے گا تو اترنے کا نہیں

وہ چمک اس کی، سروں کا وہ برسنا ہر سو　　گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لب جو

آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو　　اور دم بڑھتا تھا، پیتی تھی جو اعدا کا لہو

کبھی جوشن، تو کبھی صدرِ کشادہ کاٹا

جب چلی، ضربت سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا شہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے　　بے پر، برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے

صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے　　دو سے اک لڑ نہیں سکتا، یہ ہزاروں سے لڑے

گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو

جو دل وجانِ علی ابنِ طالب ہو

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی　　ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی

تیغِ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی　　فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی

کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا

جس پہ اک بار چلی، اس کو دوبارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں　　رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں

تیغ وہ تیغ، عیاں موت کی صورت جس میں　　ہاتھ وہ ہاتھ، یدُ اللہ کی طاقت جس میں

روک لے وار، جگر کیا کسی بے پیر کا ہے

زور وہ جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا!　　ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا!

الاماں، خوب سزا جنگ کی پائی مولا!　　آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا!

ہاتھ ہم باندھتے ہیں، پھینک کے شمشیروں کو

بخشیے امتِ نااہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام!　　یہ وغا تیسرے فاقے میں، بشر کا نہیں کام

اے محمدؐ کے جگر بند، امام ابنِ امام ! لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام

اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا

ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

تھم گئے سُن کے یہ آواز شہ جن وبشر روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر

عید ہو ،جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر شمر اظلم ہے کدھر کھینچ کے لائے خنجر

ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے

بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغِ دودم ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم

رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم

نیزے یوں گرد تھے جیسے گلِ تر خاروں میں

چُھپ گئے سبطِ نبی ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کماں داروں نے چھاتی چھانی نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی

سر پہ تلواریں چلیں، زخمی ہوئی پیشانی خوں سے تر ہوگیا حضرت کا رُخِ نورانی

جسم سب چور تھا پُرزے تھے زرہ جامے کے

بچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامے کے

ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم

بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دو ٹیرے پیہم کوئی بے کس کا مددگار نہ تھا ،ہائے ستم!

مارے تلواروں کے ،مہلت تھی نہ دم لینے کی

کوششیں ہوتی تھیں کعبے کے گرا دینے کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا

غش سے کچھ دیر میں چونکا جو علی کا پیارا نیزہ سینے پہ ،سناں ابنِ انس نے مارا

واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی

یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ بدے میں جبیں

تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمر لعین　　آسماں ہل گئے تھرّا گئی مقتل کی زمیں

کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا

پاؤں قرآں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنتِ علیؑ چلّائی　　ذبح ہوتے ہو مرے سامنے، ہے ہے بھائی

ضربِ اوّل تھی کہ تکبیر کی آواز آئی　　گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی

اٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا

منہ کو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلّائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین!　　فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین!

کچھ مجھے آنکھ سے ہوتا نہیں معلوم حسین!　　ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین!

مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی!

ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی!

بس انیسؔ آگے نہ لکھ زینبِ ناشاد کے بین　　قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاش حسین

قبر میں بھی نہ ملا احمدؐ مختار کو چین　　گھر جلا، قید ہوئی آلِ رسولؐ الثقلین

کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے

لُٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

مرثیہ دوم

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے　　سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے

درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیروزبر ہے　　گل چاک گریباں ہیں، صبا خاک بہ سر ہے

گل رُو، صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں

سب ایک جگہ صورتِ گل دستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرد قبا پوش　　عمامے سروں پر ہیں عبائیں بہ سرِ دوش

یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ ! اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویر یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ

ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس، یہ خُلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہم سن کہتے ہیں کتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہیں دن

تم حضرتِ شبّیر کے سائے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر ہاں بھائیو، تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر ماموں رہیں جنگل میں، تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِّ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم غل ہے کہ چلو دلبرِ مخدومۂ عالم

خدّام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبیؐ کے
روضے پہ اداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبر گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسِ دلاور تقسیمِ سواری کے تردّد میں ہیں اکبر

شہ کو جنہیں لے جانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا، اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار

ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار　　چلاتے ہیں درباں، کوئی آئے نہ خبردار

ہر محمل و ہودج پہ گھٹاٹوپ پڑے ہیں

پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

عوارتِ محلّہ چلی آتی ہیں بہ صد غم　　کہتی ہیں یہ دن، رحلتِ زہرا سے نہیں کم

پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم　　فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم

غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینب

ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

لے لے کے بلائیں، یہی سب کرتی ہیں تقریر　　اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر!

سمجھاتی نہیں بھائی کو، اے شاہ کی ہمشیر!　　مسلم کا خط آلے، تو کریں کوچ کی تدبیر

للہ! ابھی قبرِ پیمبر کو نہ چھوڑیں

گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے، ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں　　کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں

کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں　　بی بی! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں

ایک ایک شقی، دشمنِ اولادِ علیؑ ہے

شمشیر ستم واں سرِ حیدر پہ چلی ہے

اجڑے گا مدینہ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی　　بربادیٔ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی

کیا جانے پھر آئیں یا نہ آئیں شہِ عالی　　حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی

زہرا ہیں، نہ حیدر ہیں نہ پیمبر، نہ حسن ہیں

اب ان کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

گرمی کے یہ دن اور یہ پہاڑوں کا سفر آہ　　ان چھوٹے سے بچوں کا نگہبان ہے اللہ

رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ　　ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جاہ

قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا

کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا　　آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا

جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا　　لکھا تھا اسی سن میں مسافر انہیں ہونا

کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی

یہ پھول سے کملائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

ان بیبیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر　　بہنو! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر

اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر　　یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیر

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی

بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

لناں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی　　فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی

بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی　　بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی

ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں لناں

میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں لناں

یاد آتی ہے ہر دم مجھے لناں کی وصیت　　کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت

آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم وحسرت　　شبیر سدھارے جو سوئے وادیٔ غربت

اس دن مری تربت سے بھی منہ موڑیو زینب

اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہِ عادل　　تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج ومحمل

طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل　　رخصت کرو لوگوں کو، بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقتِ سحر ہے

بچے کئی ہم راہ ہیں، گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو ان کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے　　کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے

نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے　　جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے

ڈر ہے کہیں گھبرا کے دم اس کا نہ نکل جائے

باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبر پہ ہے جانا　　کیا جانیے پھر ہو کے نہ ہوئے مرا آنا

اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا　　اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے

چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسن سے

سن کہ یہ سخن، بانوے ناشاد پکاری　　میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری

غش ہوگئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری　　یہ کس کے لیے ہیں سب گریہ وزاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں

اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجا نہیں سینے میں سنبھلتا　　صاحب! مرے دل کو ہے کوئی ہاتھوں سے ملتا

میں تو اسے لے چلتی، یہ کچھ بس نہیں چلتا　　رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دل اس کا بہلتا

دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے

پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن! آنکھیں تو کھولو!　　کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو

ہم جاتے ہیں، تم اٹھ کے بغل گیر تو ہولو　　چھاتی سے لگو باپ کی، دل کھول کے رولو

تم جس کی ہوشیدا وہ برادر نہ ملے گا

پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہوشیار ہو، کیا صبح سے بے ہوش ہو خواہر!　　اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر

چھاتی سے لگو اٹھ کے، کھڑی روتی ہیں مادر　　ہم روتے ہیں، دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی

کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سن کر یہ سخن، شاہ کے آنسو نکل آئے　　بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے

منہ دیکھ کے بانو کا، سخن لب پہ یہ لائے　　کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں

دانستہ میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوش خو　　اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو

بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوش بو　　آنکھوں کو تو کھولا، پہ ٹپکنے لگے آنسو

ماں سے، کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں

کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا، ہاں وہی آئے ہیں مری جاں　　جو کہنا ہے کہہ لو، یہاں اور ہے ساماں

دیکھو تو ادھر روتے ہیں، بی بی! شہ ذیشاں!　　صغرا نے کہا، ان کی محبت کے میں قرباں

وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا

کھل کر کہو، کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لئے باہر؟　　نہ فرش، نہ ہے مسند فرزند پیمبر

دالان سے کیا ہوگیا گہوارۂ اصغر؟　　اجڑا ہوا لوگو! نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ منہ سے تو بولو، مرا دم گھٹتا ہو اماں

کیا سبط پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیر کا منہ تکنے لگی بانوے مغموم　　صغرا کے لئے رونے لگیں، زینب و کلثوم

بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم　　پردہ رہا اب کیا تمہیں خود ہوگیا معلوم

تم چھٹتی ہو، اس واسطے سب روتے ہیں صغرا

ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار　　میں پابہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار

پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار　　تکلیف تمہیں دوں، یہ مناسب نہیں زنہار

غربت میں بشر کے لئے سو طرح کا ڈر ہے

میرا تو سفر، رنج و مصیبت کا سفر ہے

لوں چلتی ہے، خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام　　جنگل میں نہ راحت ہے نہ کہیں راہ میں آرام

بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام　　دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام

صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے

اس طرح کا بیمار، نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا، کھانے سے خود ہے مجھے انکار　　پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہ گار

کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار　　تبرید، فقط آپ کا ہے شربت دیدار

گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا

آئے گا پسینا، تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں، درد ہے سر میں　　اف تک نہ کروں، بھڑکے اگر آگ جگر میں

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں　　قربان گئی، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صغرا

یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر　　ہر صبح، میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر

دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر　　لونڈی ہوں سکینہ کی، نہ سمجھو مجھے دختر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھادو

بابا! مجھے فضہ کی سواری میں بٹھادو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ　　میں کہہ نہیں سکتا، مجھے درپیش ہے جو راہ

کھل جائے گا یہ راز بھی، گو تم نہیں آگاہ　　ایسا بھی ہے کوئی جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا

ہے مصلحت حق یہی، جو کہتا ہوں صغرا

اے نور بصر! آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا　　تو مجھ سے بہلتی، مرا دل تجھ سے بہلتا

تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا　　یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا

جز ہجر، علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا

دانستہ تمہیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بہ صد غم　　چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ، موئے ہم

ماں کہتی تھی، مختار ہیں بی بی! شہ عالم　　میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم

وہ درد ہے، جس درد سے چارا نہیں صغرا

تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا، کوئی کسی کا نہیں زنہار　　سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار

اللہ، نہ وہ آنکھ کسی کی ہے، نہ وہ پیار　　اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غم خوار

بے زار ہیں سب، ایک بھی شفقت نہیں کرتا

سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں، سلامت رہیں اکبر　　اتنا نہ کہا، مرگئی یا جیتی ہے خواہر

میں گھر میں تڑپتی ہوں، وہ ہیں صبح سے باہر　　وہ کیا کریں، برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیوں کو دھیان، نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی، جو وہ غم کھانے کو آتے　　میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے

ہوتی جو غرض، چھاتی سے لپٹانے کو آتے　　زلفیں جو الجھتیں تو سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی

تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباسِ دلاور　　میں کون ہوں، جو میری خبر پوچھتے آکر

سرسبز رہے خلق میں نو بادۂ شبر　　شادی میں بلائیں، مجھے یہ بھی نہیں باور

بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے

میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بے کس و رنجور　　بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور

لنّاں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی! میں ہوں مجبور　　ہم راہیِ بیمار کسی کو نہیں منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا

تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر　　چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیر

لو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر　　منہ دیکھ کے چپ رہ گئی، وہ بے کس و دل گیر

نزدیک تھا، دل چیر کے پہلو نکل آئے

اچھا، تو کہا منہ سے، پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ　　اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی لاؤ!!

آئے علی اکبر، تو کہا شاہ نے آؤ روٹھی ہے بہن تم سے، گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے، جی بھر کے ذرا پیار تو کرلو

لینے انہیں کب آؤ گے، اقرار تو کرلو

پاس آن کے اکبر نے کی یہ پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہوگئیں صغرا، مری تقصیر

چلانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دل گیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی

بل کھاتی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے

افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی!

بے میرے کہیں بیاہ نہ کرلیجیو بھائی!

کیا گزرے گی، جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی!

تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی!

کیا دم کا بھروسا کہ چراغ سحری ہیں

تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا صحت سے جو ہیں، ان میں کہاں میرا ٹھکانا

بھیّا! جو اَب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا

کیا لطف، کسی کو نہیں گر چاہ ہماری

وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدر ہے، غم اس کا نہیں زنہار دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار

قبلے کی طرف کون کرے گا رخِ بیمار یٰسٓ بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار

سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی

میں ہچکیاں لے لے کے تمہیں یاد کروں گی

ماں بولی، یہ کیا کہتی ہے صغرا، ترے قربان گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان

بے کس مری بچی ! ترا اللہ نگہبان صحت ہو تجھے ،میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا!

کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا!

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ وزاری اصغر مرا روتا ہے، صدا سن کے تمہاری

وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری آ اے مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم

اصغر !مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی تپ ہے تمہیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی

جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی رکھ لوں تمہیں، اماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی

بے کس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے

تم ہو، سو تمہیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار

لے لے کے بلائیں ،یہ لگی کہنے وہ بیمار جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغرا

تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

عباس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا چلنے کو ہے اب قافلہ تیار ہمارا

لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا اٹھے شہِ دیں گھر تہ وبالا ہوا سارا

جس چشم کو دیکھا ،سو وہ پُرنم نظر آئی

ایک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار

فرّاشوں کو عباس پکارے یہ بہ تکرار پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے

شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اتر جائے آتا ہو، اِدھر جو ،وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے

ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے دیتے رہو آواز، جہاں تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسِ علی سے علی اکبر نے کہا تب ہیں قافلہ سالارِ حرم ،حضرتِ زینب
پہلے ہوں وہ اسوار، تو محمل میں چڑھیں سب حضرت نے کہا، ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب

گھر میں مرے زہرا کی جگہ بنتِ علی ہے
میں جانتا ہوں، ماں مرے ہمراہ چلی ہے

پہنچی جوں ہی ناقے کے قریں دخترِ حیدر خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبر
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر

فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھالینے کو عباس کھڑے تھے

زینت رہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا ناقوں پر چڑھے سب حرمِ سیّدِ والا
آنے لگے رہ وار، کھلا گرد کا پردا عباس سے بولے یہ شہِ یثرب بطحا

صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے، روحِ نبی پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِؐ عربی پر

ہے قبر پہ نانا کی مقدم مجھے جانا کیا جایئے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
لنّاں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ کو سدھارے تربت سے صدا آئی کہ آئے مرے پیارے
تعویذ سے شبیر لپٹ کر یہ پکارے ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے

خط کیا ہیں ،اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی

دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی ہیں آپ جہاں ،راہ وہ اصلا نہیں ملتی

پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں

خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

میں اک تن تنہا ہوں ،ستم گار ہزاروں اک جان ہے اور درپے آزار ہزاروں

اک پھول سے رکھتے ہیں خلشِ خار ہزاروں اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں

واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں

خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

یہ کہہ کے،مَلا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہ لولاک

جنبش جو ہوئی قبر کو تھرّا گئے افلاک کانپی جوزمیں،صحنِ مقدس میں اُڑی خاک

اس شور سے آئی یہ صدا روضۂ جد سے

تم آگے چلو ،ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

باتوں نے تری دل کو مرے کردیا مجروح تو شہر سے جاتا ہے،تڑپتی ہے مری روح

بے تیغ، کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح ہے کشتیِ اُمت پہ تباہی ،کہ چلا نوح

افلاک امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے

بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے واں سے جو اٹھے ،فاطمہؑ کی قبر پہ آئے

پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے

ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں

پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ وزاری گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری

کہتے تھے کہ اے احمدؐ مختار کی پیاری تم پاس ہو ،تربت ہے بہت دور ہماری

گھر لٹتا ہے، کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہرا

کیا ہم سے نہ رخصت کو حسین آئے گا زہرا

میں نے جو کہا ،قبر سے کیوں نکلے ہو باہر نہ سر پہ عمامہ ہے ، نہ ہے دوش پہ چادر

فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبر! مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر

ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں

تلواریں ہیں اب اور مرے بچوں کے گلے ہیں

سن کر یہ بیاں باپ کا، مادر کی زبانی رو رو کے پکارا اسداللہ کا جانی

ہاں والدہ، سچ ہے، نہ ملے گا مجھے پانی پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی

بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہِ دیں نے

نانا کو خبر دی تھی مری روحِ امیں نے

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے، تربتِ شبر اس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر

چلائے کہ شبیر کی رخصت ہے، برادر حضرت کو تو پہلو ہوا لنّاں کا میسّر

قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری

دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے، چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم رہ وار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم

یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلائے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم

خالی ہوا گھر آج رسولِ عربی کا

تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم

برپا تھا جنازے پہ علی کے یوں ہی ماتم تھا رحلتِ شبر میں محبوں کا یہی غم

بس آج سے بے وارث و والی ہے مدنیہ

اب پنج تنِ پاک سے خالی ہے مدنیہ

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری

آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری مضطر تھے اپاہج، ضعفا کرتے تھے زاری

کہتے تھے گدا، ہم کو غنی کون کرے گا

محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت

رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت　　پائیں گے کہاں ہم، یہ غنیمت ہے زیارت

آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے

دس بیس قدم اور بھی ہم راہ چلیں گے

قسمیں انہیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ　　تکلیف تمہیں ہوتی ہے، اب ساتھ نہ آؤ

اللہ کو سونپا تمہیں، آنسو نہ بہاؤ　　پھرنے کے نہیں، ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا

یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے، شاہ سدھارے　　جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہم راہ سدھارے

کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے　　عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے

اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں

عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبے کی زمیں نورِ خدا سے　　مکّے نے شرف اور بھی پایا شرفاء سے

جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے　　آباد ہوا شہر، نمازوں کی صدا سے

خوش ہو کے ہوا خواہ کہتے تھے علیؑ کے

سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام　　کوفے سے چلے آتے تھے نالے سحر و شام

اعدا نے گزرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام　　کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام

عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت

تھی ہشتمِ ذی حجہ کہ راہی ہوئے حضرت

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار　　ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار

قبریں نظر آتیں کسی صحرا میں جو دو چار　　فرماتے تھے شہ، فاعتبروا یا اولی الابصار

جز خاک، نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا

انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

احباب کہیں، گھر ہے کہیں، آپ کہیں ہیں　　آئے تو زمیں پر تھے، پر اب زیرِ زمیں ہیں

خالی ہیں مکاں، آپ تہِ خاک مکیں ہیں — جو دور نہ رہتے تھے، وہ اب پاس نہیں ہیں

حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہین کفن میں

باتیں تھیں یہی پاس کی اور درد کی تقریر — منزل پہ بھی آرام سے سوتے تھے نہ شبیر
شب کو کہیں اترے، تو سحر کو ہوئے رہگیر — جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر

مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن وبشر کو
جس طرح سے ڈھونڈے کوئی معشوق کے گھر کو

ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ — یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ — اک نہر سوا، جا میں ہو چشمہ، نہ کوئی چاہ

کیا ملتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں، وہ صحرا نہیں ملتا

وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہ لولاک — ہے سخت پر اندوہ وہ صحرا تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک — سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک

واں راتوں کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ غنی کی

چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند — اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند — پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند

پیارے، تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے، یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات — کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے بیہات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات — پانی تو نہیں شور پہ مشہور ہے یہ بات

طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

اس جا نہ اُترتا ہے، نہ دم لیتا ہے رہ گیر — ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر

پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر   اس طرح ہوا چلتی ہے، جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم   اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اسے ہم
عاشق پہ بلا بعدِ بلا آتی ہے ہر دم   غم اور بڑھا، وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ   طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جاں کاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے، پیٹے حرمِ شاہ   فرماتے تھے شہ، سب کو ہے در پیش یہی راہ
ہوگا وہی، اللہ کو جو مدّ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال   محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عباسِ خوش اقبال   وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دولال
پوچھو تو، کدھر وہ مرے پیارے گئے دونوں
فرماتے تھے شبیر، کہ مارے گئے دونوں

محمل تھے سب اس بی بی کے ہودج کے برابر   تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر   ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو، کون جدا ہوگیا لمّاں
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہوگیا لمّاں

اس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا   کھانا کئی دن قافلے والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا اسداللہ کا جایا   جو چاند محرّم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبیر میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

خویش و رفقاء چاند کی تسلیم کو آئے   مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے

یہ چاند مبارک ہو ،یداللہ کے جائے　　کفار پہ تو فتح اسی چاند میں پائے

رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا

تا حشر زمانے میں اجالا رہے تیرا

حضرت نے دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات　　کر رحم گنہ گاروں پہ اے قاضیٔ حاجات

سر دینے کا مشتاق ہوں، عالم ہے تری ذات　　خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات

باقی ہیں جو راتیں، وہ عبادت میں بسر ہوں

یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہنچا دے مجھے جلد بس اے خالقِ افلاک　　اس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک

طالب ہے ترے قرب کا سبطِ شہِ لولاک　　نہ ملک کی خواہش ہے، نہ درکار ہے املاک

بے تاب ہے دل ،صبر کا یارا نہیں مجھ کو

اب فصل بہ جز وصل گوارا نہیں مجھ کو

اتنے میں یہ فضہ علی اکبر کو پکاری !　　لو دیکھ چکیں چاند یدُاللہ کی پیاری

عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری　　آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری

آئے تو رُخِ اکبرِ ذیقدر کو دیکھوں

شکلِ مہِ نو دیکھ چکی ،بدر کو دیکھوں

شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہم راہ　　منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنتِ یدُاللہ

یہ چاند ہے کس طرح کا، اے فاطمہ کے ماہ　　فرمانے لگے رو کے ،بہن سے شہ ذی جاہ

سر تن سے مرا اس مہِ پُرغم میں کٹے گا

زینب ! یہ مہینا تمہیں ماتم میں کٹے گا

یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا　　یہ ظلم کا عشرہ ہے ،یہ آفت کا مہینا

پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا　　آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا

یہ بارِ امانت مری گردن سے اتر جائے

ہو خاتمہ بالخیر، جو سر تن سے اتر جائے

غش ہوگئی سن کر یہ بیاں زینب پُرغم　　خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم

بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم　　خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم

آخر وہی صحرا ،وہی جنگل نظر آیا

تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

اترے اسی میدان بلا خیز میں سرور　　استادہ ہوئے خیمۂ ناموس پیمبر

صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہوگئے اکبر　　دریا پہ ٹہلنے لگے عباس دلاور

شہ بولے ،ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی

ہاں شیر ہو، دریا کی ترائی تمہیں بھائی

خاصے کو بس اب روک انیسؔ جگر افگار !　　خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار

زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار　　غیر از غمِ شہ، ان کو نہ غم ہو کوئی زنہار

آنکھوں سے مزار شہ دل گیر کو دیکھیں

اس سال میں بس روضۂ شبیر کو دیکھیں

مرثیہ سوم

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے　　جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے

دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے　　مڑکر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے

آخر ہے رات، حمد و ثنائے خدا کرو

اٹھو، فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال وقتال کا　　یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا!!

چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہرا کے لال کا　　گزری شب فراق ، دن آیا وصال کا

ہم وہ ہیں،غم کریں گے ملک جن کے واسطے

راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح، مبارک ہے جس کی شام　　یاں سے ہوا جو کوچ ،تو ہے خلد میں مقام

کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام　　لکھے خدا نمازگزاروں میں ان کے نام

سب ہیں وحیدِ عصر، یہ غل چار سو اٹھے

دنیا سے جو شہید اٹھے ،سرخ رو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس　　اک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس

شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس　　باندھے عمامے، آئے امامِ زماں کے پاس

رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے

مشک وزباد وعطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی، رخوں پہ نور　　خوف وہراس ورنج وکدورت دلوں سے دور

فیاض، حق شناس، اولوالعزم، ذی شعور　　خوش فکر وبذلہ سنج ہنر پرور و غیور

کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ بر ملا ملے

باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

سادات ، بردبار، فلک مرتبت ،دلیر　　عالی منش،سبا میں سلیماں، وغا میں شیر

گردانِ دہر ان کی زبردستیوں سے زیر　　فاقوں میں دل بھی چشم بھی ،اور نیتیں بھی سیر

دنیا کو ، ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے

دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز وکنایہ کہ لاجواب　　نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب

گویا دہن ،کتاب بلاغت کا ایک باب　　سوکھی زبانیں ،شہدِ فصاحت سے کامیاب

لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے

پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی ،گلوں سے زیادہ شگفتہ رو　　پیداتنوں سے پیراہنِ یوسفی کی بُو

غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو　　پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خُو

پتھر میں ایسے لعل، صدف میں گہر نہیں

حوروں کا قول تھا ،یہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا ، وضو جو کریں وہ فلک جناب　　پر، تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب

باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب ہوتے ہیں خاک سار غلامِ ابو تراب

مہتاب سے رُخوں کی صفا اور ہوگئی

مٹی سے آئینوں پہ جلا اور ہوگئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنساء کے لال

قاسم سا گل بدن، علی اکبر سا خوش جمال اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال

سب کے رخوں کا نور، سپہرِ بریں پہ تھا

اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے اَرنی گوئے اوجِ طور

پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور وہ جا بہ جا درختوں پہ تسبیح خواں طیور

گلشن خجل تھے، وادیِ مینوا ساس سے

جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک

وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک

ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے

پتے بھی ہر شجر کے، جواہر نگار تھے

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدہ گار تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع آشکار

عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار

عالم تھا محوِ قدرتِ ربِّ عباد پر

مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا درّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا

وہ جوشِ گل، وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے

تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار پھولوں پہ جا بہ جا گہرہائے آب دار

اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　بالائے نخل یک جو بلبل، تو گل ہزار

خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم　　کوکو کا شور ، نالۂ حق سرّہ کی دھوم

سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم　　جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار!　　اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار

یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار　　تسبیح تھی، کہیں ،کہیں تہلیلِ کردگار

طائر ہوا میں مست ہرن سبز زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول　　خوش بو سے جن کی خلد تھا، جنگل کا عرض وطول

دنیا کی زیب ،زینت کاشانۂ بتول !　　وہ باغ تھا، لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ

ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار　　پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گل عذار

دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار　　جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خمار

راہیں تمام ،جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے ، پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگارگوں کی شان　　گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان

بے چوبۂ سپہر بنے جس کا سائبان　　بیت العتیق، دیں کا مدینہ، جہاں کی جان

اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں　　کہتا تھا آسمانِ دہم ،چرخِ ہفتمیں

پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں! تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں

دیکھا جو نور شمشۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح، گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیاض ہوا عیاں تشریف جا نماز پہ لائے شہ زماں
سجادے بچھ گئے عقب شاہ، انس وجاں صوتِ حسن سے اکبرِ مہ رُو نے دی اذاں

ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آگئی

چپ تھے طیور، جھومتے تھے وجد میں شجر تسبیح خواں تھے برگ وگل وغنچہ وثمر
محوِ ثنا کلوخ ونباتات ودشت و در پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور

اعجاز تھا کہ دلبرِ شبّر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نام دار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار

کرتے ہیں یوں ثنا وصفت ذوالجلال کی
لوگو! اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت، یہ شدّ و مد حقّا کہ افصح الفصحا ہے انہی کا جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤد با خرد یارب! رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد

شعبے صدا میں، پنکھڑیاں ہوں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے عین الکمال سے تجھے بچے، خدا بچائے
وہ خوش بیاں کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے دو دن میں، ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے

غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ قائم ہوئی نماز، اٹھے شاہِ کائنات

وہ نور کی صفیں ،وہ مصلّیٰ ملک صفات　　قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات

جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلّا حسین کا

مصحف کی لوح تھی کہ مصلّا حسین کا

قراں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز　　بسم اللہ آگے جیسے ہو، یوں تھے شہِ حجاز

سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہِ سرفراز　　کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز

صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی

سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

باہم مکبّروں کی صدائیں ودل پسند　　کرّ وبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند

ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند　　خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند

خم گردنیں تھیں سب کی خضوع وخشوع میں

سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمدؐ وحیدر کے رشتے دار　　اٹھارہ نوجوان ہیں اگر کیجیے شمار

پر، سب جگر فگار وحق آگاہ وخاک سار　　پیرو امامِ پاک کے دانائے روزگار

تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انہی کی ہے

جس پر درود پڑھتے ہیں، یہ خاک انہی کی ہے

دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود　　ان کے لیے تھی بندگیِ واجب الوجود

وہ عجز، وہ طویل رکوع اور وہ سجود　　طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست وبود

طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں

گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خدا　　خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا

تھرّائے آسمان، ہلا عرشِ کبریا　　شہ پر تھے دونوں ہاتھ ،پئے طائرِ دعا

وہ خاک سار محوِ تضرّع تھے فرش پر

روح القدس کی طرح ،دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام　　آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام!!!

چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام　　آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر بہ احترام

کیا دل تھے، کیا سپاہِ رشید وسعید تھی

باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ باوفا　　پڑھتا تھا کوئی حزن سے قراں ،کوئی دعا

نعتِ نبی کہیں تھی ،کہیں حمدِ کبریا　　مولا ،اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا

فاقوں میں تشنہ کامی وغربت پہ رحم کر

یا رب ! مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی ،التجا تھی ،مناجات تھی ادھر　　واں صف کشی وظلم وتعدّی و شور وشر

کہتا تھا ابن سعد، یہ جا جا کے نہر پر　　گھاٹوں سے ہوشیار ، ترائی سے باخبر

دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسین کو

ہاں مرتے دن بھی دیجیو نہ پانی حسین کو

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر　　ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر

دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر　　عباس اٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر

پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر

روکی سپر ،حضورِ کرامت ظہور پر

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں　　تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ،اے پدر کی جاں

باندھے ہے سرکشی پر کمر لشکرِ گراں　　بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں

غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو

ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر　　فضہ پکاری ڈیوڑھی سے،ہے خلق کے امیر

ہے ہے،علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر　　اصغر کے گاہوارے تک آکر گرے ہیں تیر

گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں

بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے ،سکینہ کہیں ہے غش　　گرمی کی فصل ،یہ تب وتاب اور یہ عطش

رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہ وش　　بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش

یہ کس خطا پہ تیر پیا پے برستے ہیں

ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں!

اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار　　ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار

فرمایا مڑ کے، چلتے ہیں اب بہرِ کارزار　　کمریں کسو جہاد پہ، منگواؤ راہ وار

دیکھیں فضا بہشت کی، دل باغ باغ ہو

امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر　　ہونے لگیں صفوں میں کمربندیاں ادھر

جوشن پہن کے حضرتِ عباس نامور　　دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر

پرتو سے رُخ کے، برق چمکتی تھی خاک پر

تلوار ہاتھ میں تھی، سپر دوشِ پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا، خودسر　　کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پَر

دستانے دونوں، فتح کا مسکن، ظفر کا گھر　　وہ رعب، الاماں! وہ تہوّر کہ الحذر

جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو

پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے، یہ دیکھا حرم کا حال　　چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال

زینب کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال　　بچ جائے اس فساد سے خیرالنساء کا لال

بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے

صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا　　بے کس پہ یہ چڑھائی ہے، سید پہ یہ جفا

غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا　　ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا

فاقوں سے جاں بہ لب ہیں عطش سے ہلاک ہیں

یارب! ترے رسول کی یہ آلِ پاک ہیں

سر پر ہیں اب علیؑ نہ رسولِ فلک وقار　　گھر لٹ گیا، گزر گئیں خاتونِ روزگار

لمّاں کے بعد، روئی حسن کو میں سوگ وار   دنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب   مضطر نہ ہو، دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں، خطا پہ ہیں، یہ خانماں خراب   خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس   کشتی میں لائیں زینب اُسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس   پہنی قبائے پاکِ رسولِ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسول کا
رومال فاطمہ کا، عمامہ رسول کا

شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بہ صد وقار   ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار   جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے، یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بُو   دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دلھن کی بُو
حیدر کی، فاطمہ کی، حسین و حسن کی بُو   پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنج تن کی بُو
لنڈھتا تھا عطر، وادیٔ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن   لے کر بلائیں بھائی کی، رونے لگی بہن
چلّائی ہائے، آج نہیں حیدر و حسن   اماں! کہاں سے لائے تمہیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی، بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے   پیٹا منہ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے

پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے بازو پہ جوشنین پڑھے عزوجاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے، اتنے ستارے چمک گئے

یاد آگئے علی، نظر آئی جو ذوالفقار قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آب دار شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو، نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو، ضرب عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام تیار اُدھر ہوا علمِ سیدِ انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام روتی تھی، تھامے چوبِ علم خواہر امام
تیغیں کمر میں، دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آکھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عِذار بر فرق تک آستینوں کو الٹے بہ صد وقار
جعفر کا رعب، دبدبۂ شیر کردگار! بوٹا سے ان کے قد پہ نمودار و نام دار
آنکھیں ملیں عَلم کے پھریرے کو چوم سے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے، کبھی جانب علم نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونو بھائی کبھی مشورے بہم آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیِ ولی کے نشان کا ؟
اماں ! کسی ملے گا علم نانا جان کا؟

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال ہم بھی محق ہیں، آپ کو اس کا رہے خیال

پاسِ ادب سے عرض کی، ہم کو نہیں مجال   اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں ،نام کے امیدوار ہیں

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں   لیکن ہمارے جد کو نبی نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں   پایا عَلَم علی نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں، گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انہیں کے ہم ہیں انہی کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام   کیا دخل مجھ کو، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو، نہ کچھ بے ادبانہ کوئی کلام!   بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کو

سر کو، ہٹو، بڑھو، نہ کھڑے ہو علم کے پاس   ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور تم مرے آئے ہوئے حواس   بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم جو برا یا بھلا کہوں
اس ضد کو، بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمریں قلیل اور ہوسِ منصب جلیل!   اچھا، نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل   ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے، غور کرے، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ، کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھے گا یہ علم   چھوٹے قدوں میں سب سے ہنوں میں سبھوں سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبی کے قدم پہ دَم   عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو، تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے، آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا، بزرگ تھے گر فخرِ روزگار   زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار

جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار　　دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار

تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں

فوجیں پکاریں خود، کہ نواسے علی کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیّار کا تھا نام　　یہ بھی تھی اک عطائے رسولِ فلک مقام

بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انہیں سے کام　　جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام

بے جاں ہوئے تو نخلِ دعا نے ثمر دیئے

ہاتھوں کے بدلے، حق نے جواہر کے پر دیئے

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب　　بخشا عَلَم رسولِ خدا نے علی کو تب

مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وشیرِ رب　　در بند کر کے قلعے کا، بھاگی سپاہ سب

اُکھڑا وہ یوں، گراں تھا جو در سنگِ سخت سے

جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے

نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال　　اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال

پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال　　میں لٹ رہی ہوں اور تمہیں منصب کا ہے خیال

غم خوار تم مرے ہو، نہ عاشق امام کے

معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام　　غصے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام

واللہ کیا مجال جو لیں اب عَلَم کا نام　　کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام

فوجیں بھگا کے، گنجِ شہیداں میں سوئیں گے

تب قدر ہو گی آپ کو، جب ہم نہ ہوئیں گے

بس کہہ کے یہ، ہٹے جو سعادت نشاں پسر　　چھاتی بھر آئی، ماں نے کہا، تھام کر جگر

دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو، مجھے خبر　　ٹھہرو، ذرا بلائیں تو لے لیں یہ نوحہ گر

کیا، صدقے جاؤں، ماں کی نصیحت بُری لگی

بچو! یہ کیا کہا کہ جگر پہ چھری لگی

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن　　کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنی بہن

شیروں کے شیر، عاقل و جرار وصف شکن　　زینب! وحید عصر ہیں دونوں پہ گل بدن

یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں

تیور ہی ان کے اور، ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے　　بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے

اقبال کیوں کر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے　　کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے

بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیر ہیں

پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

بس جس کو تم کہو، اسے دیں فوج کا علم　　کی عرض جو صلاح شہِ آسماں حشم

فرمایا جب سے اٹھ گئیں زہرائے باکرم　　اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم

مالک ہو تم، بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو

جس کو کہو، اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام　　ہے کس طرف توجہِ سردارِ خاص و عام

گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام　　قرآں کے بعد ہے، تو علی کا ہی کچھ کلام

شوکت میں، قدمیں، شان میں، ہمسر کوئی نہیں

عباسِ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق، غلام، خادمِ دیرینہ، جانثار　　فرزند، بھائی، زینت پہلو، وفا شعار

جرار، یادگارِ پدر، فخر روزگار　　راحت رساں، مطیع، نمودار، نامدار

صفدر ہے شیر دل ہے، بہادر ہے، نیک ہے

بے مثل سیکڑوں ہیں، ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمین　　ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن

اچھا بلائیں آپ، کدھر ہے وہ صف شکن　　اکبر، چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن

کی عرض، انتظار ہے شاہ غیور کو

چلئے، پھپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ　　جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ

زینب وہی علم لئے آئیں بہ عزو جاہ　　بولے نشاں کو لے کے شہِ عرشِ بارگاہ

ان کی خوشی وہ ہے، جو رضا پنج تن کی ہے

لو بھائی، لو علم، یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ، جھکا وہ فلک وقار　　ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار

زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار　　عباس! فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہو جائے آج صلح کی صورت، تو کل چلو

ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض، میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر　　ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بد گہر

تیغیں کھنچیں جو لاکھ، تو سینہ کروں سپر　　دیکھیں اٹھا کے آنکھ، یہ کیا تاب، کیا جگر

سادات ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے

گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منہ کر کے سوئے قبرِ علی پھر یہ کیا خطاب　　ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب

یہ عرض خاک سار کی ہے یا ابوتراب　　آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب

سر، تن سے، ابنِ فاطمہ کے روبرو گرے

شبّیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عباسِ نام ور　　شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر

لیں سبطِ مصطفےٰ کی بلائیں بہ چشمِ تر　　زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر

فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا

عزت بڑھی کنیز کی، رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا　　تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا

کی عرض، مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں، تو فدا　　بانوئے نام ور کو سہاگن رکھے خدا

بچے جییں، ترقیِ اقبال وجاہ ہو

سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے　　یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے

اُمّ البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے　　جلدی شب عروسی اکبر خدا دکھائے

منہدی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں

لاؤ دلھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا　　کیسا ہے یہ ہجوم، کدھر ہیں مرے چچا

عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا　　لوگو، مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا

شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی

میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ　　عمو نثار، پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ

بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ　　اب تو علم ملا تمہیں، پانی مجھے پلاؤ

تحفہ نہ کوئی دیجے، نہ انعام دیجیے

قربان جاؤں، پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اس کی، روتی تھیں سیدانیاں تمام　　کی عرض، آکے ابنِ حسن نے کہ یا امام

انبوہ ہے، بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام　　فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام

عباس اب علم لیے باہر نکلتے ہیں

ٹھہرو، بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار　　آتے ہیں اب حضور، خبردار ہوشیار

خلعت پہن رہے ہیں علم دارِ نام دار　　نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہیں جاں نثار

بھائی بڑا ہے سر پہ، تو سایہ ہے باپ کا

عہدہ جوان بیٹے نے پایا باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیے عباس باوفا　　دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر، برہنہ پا

حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ ایک ایک سے کہا　　لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفیٰؐ

صبحِ شبِ فراق ہے، پیاروں کو دیکھ لو

سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینب زار و حزیں گری　　بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری

کلثوم تھرتھرا کے بہ روئے زمیں گری　　باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری

اجزا چمن ، ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسِ عرشِ جاہ　　آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ　　نشتر بہ دل تھے بنتِ علی کی فغان و آہ

رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے　　ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس ملک کی زبان سے　　اترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے

سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلھن کا ہے، چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھیے　　بن بن کے ،جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے　　تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے

گردن میں ڈالیں ہاتھ، یہ پریوں کا شوق ہے
بالا دوی میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا　　جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں، علم بڑھا　　رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا

پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہنچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہنچ گئی

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر　　اِس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اُس کی عرش پر
زرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر　　دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
الجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان　　جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشان

کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان　　دنیا کی زیب، دین کی عزت، جہاں کی جان

ایک ایک دود مانِ علی کا چراغ تھا

جس کو بہشت پر تھا تفوّق، وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ، سہی قد، سمن عذار　　گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار

حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار　　کھیلیں تو نیچوں سے کریں شیر کا شکار

تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے

آئے تھے عید گاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام　　دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام

دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام　　ہم شکلِ مصطفیٰؐ ہے یہی عرشِ احتشام

رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے

اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

دنیا سے اٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں　　ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں

کیوں کر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں　　پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں

سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے

محبوب حق ہیں عرش پہ، سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیرا اُدھر سے چلے جانب امام　　گھوڑا بڑھا کے آپ نے خجت بھی کی تمام

نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام　　بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام

بالا کبھی تھی تیغ، کبھی زیرِ تنگ تھی

ایک اک کی جنگ، مالکِ اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں　　نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں

روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں　　کھینچی جو تیغ، بھول گئے صف کشی لعیں

بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے

کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کار زار　　دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار

شانہ کٹا، کسی نے جو روکا سپر پہ وار　　گنتی تھی زخمیوں کی، نہ کشتوں کا کچھ شمار

اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں

دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں　　آفت کی پُھرتیاں تھیں، غضب کی صفائیاں

ڈر ڈر کے کانپتے تھے کماں کش کنائیاں　　فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں

شوکت ہُوَ ہُوَ تھی جنابِ امیر کی

طاقت دکھادی شیروں نے زینب کے شیر کی

کس حُسن سے حُسن کا جوانِ حسیں لڑا　　گھِر گھِر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا

دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا　　سہرا الٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا

حملے دکھا دیئے اسدِ کردگار کے

مقتل میں سوئے، ارزقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباسِ عرشِ جاہ　　روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ

ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعد روسیاہ　　کشتوں سے بند ہوگئی امن واماں کی راہ

جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے

لے لی ترائی، تیغوں کی موجوں میں پیر کے

بے سر ہوئے موکل سرچشمۂ فرات　　ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات

دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بدصفات　　گویا حباب ہوگئے تھے نقطۂ حیات

عباس بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے

جس طرح نہر واں میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب وضربِ علی اکبر دلیر　　غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر

سب سر بلند پست، زبردست سب تھے زیر　　جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر

سر اُن کے اترے تن سے، جو تھے رن چڑھے ہوئے

عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک　　ہلتی رہی زمین، لرزتے رہے فلک

کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک　　نعرے نہ پھر وہ تھے، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک

ڈھالوں کا دور، برچھیوں کا اوج ہوگیا

ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہوگیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اٹھا کے لائے　　قاتل، کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے

دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے　　فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو

گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام　　ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام

افسردہ وحزیں و پریشاں وتشنہ کام　　برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام

اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے

تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ　　اک عمر کا ریاض تھا جس پر، لٹا وہ باغ

فرصت نہ اب بکا سے، نہ ماتم سے ہے فراغ　　جو گھر کی روشنی تھے، وہ گل ہوگئے چراغ

پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر

چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے اندر شہِ زمن　　پر، شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن

پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن　　اصغر کا گاہ وارے سے لے آؤ اے بہن

پھر ایک بار اس مہِ انور کو دیکھ لیں

اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آلِ پیمبر برہنہ سر　　اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر

بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر　　منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر

غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر

بٹھلا لیا حسین نے زانوے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر　　تھا اس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر

مارا جو تین بھال کا اُس بے حیا نے تیر　　بس دفعۃً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہوگیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفل شیر خوار　　چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بہ حالِ زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار　　اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علی کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی، امانت نبی کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے　　واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر، ہوشیار مرے گل عذار سے　　گردن چھدی ہوئی ہے، بچانا فشار سے
سید ہے، لال حضرتِ خیر النسا کا ہے
معصوم ہے، شہید ہے، بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام　　آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سُرخ فام
زیبِ بدن کیے تھی بہ صد عز واحتشام　　پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہِ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہ وار　　جرار، بردبار، سبک رو، وفا شعار
کیا خوش نما تھا زینِ طلا کا رونقرہ کار　　اکسیر تھا، قدم کا جسے مل گیا غبار
خوش خو تھا، خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیوں کر کروں بیاں　　ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لوں کو الحذر، وہ حرارت کہ الاماں　　رن کی زمیں تو سُرخ تھی او زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لوں، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب وتب　　کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب

خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب　　خیمے جو تھے حبابوں کے، تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا

کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چار پائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام　　مسکن میں مچھلیوں کے، سمندر کا تھا مقام

آہو جو کالے تھے، تو چیتے سیاہ فام　　پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ موم خام

سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے

پانی کنوؤں میں اُترا تھا سایے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار　　ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار

ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار　　کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ بار دار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے

پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق، زرد تھے

آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور　　جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر

مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر　　خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں

پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شیر اٹھتے نہ تھے دھوپ کے مارے کچھار سے　　آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے

آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے　　گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر

بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں　　انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں

منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں　　تہ پر تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جاں

پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی

ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینہ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب　　چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب

سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب　　کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے کرۂ زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ امم　　نے دامنِ رسول تھا، نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دم بدم　　اودے تھے لب زبان میں کانٹے، کمر میں خم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار　　آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آکے بے شمار　　سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار

پانی کا دام ودد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہ کے لیے قحطِ آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر　　خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر　　فرزندِ فاطمہ پہ نہ تھا سایۂ شجر

وہ دھوپ دشت کی، وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آساں جناب　　بیعت جو کیجے اب بھی، تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانما خراب　　دریا کو خاک جانتے ہیں ابنِ بوتراب

فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ، تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں، تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل　　چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جامِ آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل　　بے آبرو، خسیس، ستم گر، دنی، بخیل

جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو، تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں، تو ابھی جام لے کے آئے　　کوثر یہیں رسول کے احکام لے کے آئے

روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے　　لشکر ملک کا، فتح کا پیغام لے کے آئے

چاہوں جو انقلاب تو دُنیا تمام ہو
الٹے زمین یوں کہ نہ کوئی نہ شام ہو

فرما کے یہ، نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار　　تھرّا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار　　آواز کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار

نیزے اٹھا کے، جنگ پہ اسوار ٹل گئے
کالے نشاں سپاہِ سیہ رُو میں کھل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش　　کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے ہوش
تھرّائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش　　نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ دِرع پوش!

ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے　　گیتی کو تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانند شیر نر کہیں ٹھہرے، کہیں بڑھے　　گویا علی اٹھتے ہوئے آستیں بڑھے

جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ رو جدا　　جیسے کنارِ شوق سے ہو خوب رو جدا
مہتاب سے شعاع جدا، گل سے بو جدا　　سینے سے دم جدا، رگِ جاں سے لہو جدا

گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا، لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح　　کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح　　دوڑا فرس، نشیب میں آب آئے جس طرح

یوں تیغِ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی، شرر اڑے　　جھونکا چلا ہوا کا جو سَن سے، تو سر اڑے

پر کالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اڑے　　روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پَر اڑے

ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے

جن پر علیؑ لکھا تھا، وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ ،دوپارا کیا اسے　　کھنچتے ہی، چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے

واں تھی، جدھر اجل نے اشارا کیا اسے　　سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اسے

نے زین تھا فرس پہ، نہ اسوار زین پر

کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمیں پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی　　دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی

ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی　　سیل آئی زور و شور سے جب، گھر گرا گئی

آ پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا

دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

اس آب پر یہ شعلہ فشانی ،خدا کی شان　　پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان

خاموش اور تیز زبانی ، خدا کی شان　　اِستادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان

لہرائی جب، اتر گیا دریا چڑھا ہوا

نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب وجناح ومیمنہ ومیسرہ تباہ　　گردن کشانِ امتِ خیرالوریٰ تباہ

جنباں زمیں، صفیں تہ وبالا، پراتباہ　　بے جان جسم ،روح مسافر، سراتباہ

بازار بند ہوگیا،جھنڈے اکھڑ گئے

فوجیں ہوئیں تباہ محلّے اجڑ گئے

اللہ ری تیزی وبُرش اس شعلہ رنگ کی　　چمکی سوار پر، تو خبر لائی تنگ کی

پیاسی فقط لہو کی، طلب گار جنگ کی　　حاجت نہ سان کی تھی،اسے کچھ،نہ سنگ کی

خوں سے فلک کو،لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی

سو ہار رَو میں چرخ پہ چڑھتی اترتی تھی

تیغِ خزاں تھی، گلشنِ ہستی سے کیا اسے　　گھر جس کا خود اجڑ گیا،بستی سے کیا اسے

وہ حق نما تھی، کفر پرستی سے کیا اسے　　جو آپ سر بلند ہو، پستی سے کیا اسے

کہتے ہیں راستی جسے، وہ خم کے ساتھ ہے

تیزی زباں کے ساتھ، برش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجا لہو ہوا　　گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا

چمکی تو الامان کا غل چار سو ہوا　　جو اس کے منہ پہ آ گیا، بے آب رُو ہوا

رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے

چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں، وہ جہاں چلی　　چمکی تو اس طرف، اُدھر آئی، وہاں چلی

دونوں طرف کی فوج پکاری، کہاں چلی　　اس نے کہا یہاں، وہ پکارا، وہاں چلی

منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی

سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ　　گردن سے سر الگ تھا، جدا تھے نشاں سے ہاتھ

توڑا کبھی جگر، کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ　　جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ

اب ہاتھ دست یاب نہیں منہ چھپانے کو

ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوفِ تیغ شہِ کائنات کا　　زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا

دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بد صفات کا　　چارہ فرار کا تھا، نہ یارا ثبات کا

غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر

بھاگو، خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بہ سر　　منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر

بھاگی تھی موج، چھوڑ کے گرداب کی سپر　　تھے تہ نشیں نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے

لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر، جدھر سن سے آ گئی　　کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی

دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی
کھنچی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوتراب کی

پس پس کے کش مکش میں کماں دار مر گئے
چلّے تو سب چڑھے رہے، بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پَر گئے
مقتل میں ہوسکا نہ گزارا، گزر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے مکر و وہم کے
سوفار کھال دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور
لشکر میں خوف جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے، سوفار جان کے

صف بر صفیں، پروں پہ پرے پیش وپس گرے
اسوار پر سوار، فرس پر فرس گرے
اٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
مخبر پہ پیک، پیک پہ مرکرعسس گرے
ٹوٹے پرے، شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصہ تھا شیرِ شرزۂ صحرائے کربلا
چھوڑے تھے گرگ منزل وماوائے کربلا
تیغ علی تھی معرکہ آرائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مُردوں کی قریے اجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
تھی طرفہ کشمکش فلکِ پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے رہگیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے
اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
رہ رہ کے ابرِ شام سے وہ بارشِ خدنگ

وہ شورِ صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ　　وہ لوں، وہ آفتاب کی تابندگی، وہ جنگ

پُھنکتا تھا دشت کیں، کوئی دل تھا نہ چین سے

اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین سے

سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے اُدھر　　بازارِ جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر

پیاسا جو ہو، وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر　　مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر

کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو

پیتے تھے سب، حسین ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر　　اُف اُف کبھی کہا، کبھی چہرے پہ لی سپر

آنکھوں میں ٹیس اٹھی، جو پڑی دھوپ پر نظر　　جھپٹے کبھی ادھر، کبھی حملہ کیا اُدھر

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر

موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے، پیاسے کی جنگ سے　　چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ لاکھ رنگ سے

چمکی جو فرق پر، تو نکل آئی تنگ سے　　رکتی تھی نے سپر سے، نہ آہن نہ سنگ سے

خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا

خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر　　پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر

مردم کی کش مکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر　　گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکائے سر

ترکش سے کھینچے تیر کوئی، یہ جگر نہ تھا

سیمر پہ جس نے ہاتھ رکھا، تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ، وہ چمک تیغِ تیز کی　　سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی

لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی　　تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی

آری جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے

تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے اٹھا غبارِ زرد　　گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد

کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیٔ نبرد
تو دابنا تھا خاک کا مینائے لاجورد

پنہاں نظر سے نیر گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر، پہ نہ شب تھی نہ روز تھا

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی

سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
تصویرِ ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی

ہوتا تھا غل، جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسین کی
اللہ کا غضب ہے لڑائی حسین کی

دریا حسین کا ہے، ترائی حسین کی
دنیا حسین کی ہے، خدائی حسین کی

بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم، واسطہ علی اکبر کی روح کا

اکبر کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں
آنسو بھر آئے، روک لی رہوار کی عناں

مڑکر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں
تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر، اے پدر کی جاں

قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلّایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد
اے وافضیحتا! یہ ہزیمت، ظفر کے بعد

زیبا دلاروں کو نہیں ہے خلافِ وعد
اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد

نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد وکلفت وتنو مند وخیرہ سر
روئیں تن وسیاہ دروں، آہنی کمر

ناوک، پیامِ مرگ کے ترکش، اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر

دل میں بدی، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اس کے اور اسی قد وقامت کا ایک یل
آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بل

بدکار و بد شعار و ستم گار و پُر دَغل جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکروں کے دل

بھالے لیے کسے ہوئے کمریں ستیز پر

نازاں وہ ضرب گرز پہ، یہ تیغ تیز پر

کھنچ جائے شکلِ حرب، وہ تدبیر چاہیے دشمن بھی سب مُقِر ہوں وہ تقریر چاہیے

تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے

نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا

پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا، فوجوں میں کھلبلی ساونت بے حواس، ہراساں دھنی، بلی

ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے، تیغ اب چلی غل تھا، ادھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علی

کون آج سر بلند ہو اور کون پست ہو

کس کی ظفر ہو دیکھئے کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں بسم اللہ، اے امیرِ عرب کے سُرورِ جاں

بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں اٹھی علی کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں

واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے

پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لگائے وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں ادھر گڑائے

ڈھالیں لڑیں سپاہ کی، یا ابر گڑگڑائے غصے میں آکے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے

ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں

ماہی پہ ڈگمگئے گاوِ زمیں کے پاؤں

نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند

تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند چلّا ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند

وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں

گوشے نہ تھے کماں میں، نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر

مارا جو ہاتھ ، پاؤں جما کر رکاب پر　　بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر

بد ہاتھ میں شکست ،ظفر نیک ہاتھ میں

ہاتھ اڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ، ایک ہاتھ میں

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار　　پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار

واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغِ آب دار　　یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار

قربان تیغِ تیز شہِ نام دار کے

دو ٹکڑے تھے سوار کے ،دو راہ وار کے

پھر دوسرے پہ گزر اٹھا کر ،پکارے شاہ　　کیوں ،ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ

سرشار تھا شرابِ تکبر سے روسیاہ　　جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ

غل تھا ،اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے

لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپ شہِ دیں پلٹ پڑا　　ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا

تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا　　ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا

پیوندِ صد روزیں جسد و فرق ہوگیا

گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہوگیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر　　شیروں سے دشت ،گرگ سے بن اژدروں سے در

شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر　　اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کر

سیمرغ نے گرا دیئے پَر کانپ کانپ کر

آئی صدائے غیب کہ شبّر مرحبا !　　اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا !

یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر، مرحبا !　　دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا !

غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر

بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر دغا کی ہوس ،اے حسین ،بس　　دم لے ہوا میں چند نفس اے حسین ،بس

گرمی سے ہانپتا ہے فرس، اے حسین، بس　　وقتِ نمازِ عصر ہے، بس اے حسین، بس

پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں

اب اہتمام چاہیے امت کے کام میں

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں　　پلٹی سپاہ، آئی قیامت جہان میں

پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں　　پھر کھل گئے لپٹ کے پھر ہرے، نشان میں

بے کس حسین، ظلم شعاروں میں گھر گئے

مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر　　چھاتی پہ لگ گئے کئی سو، ایک بار تیر

پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر　　پڑتے تھے دس، جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر

یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر

جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر　　ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسین پر

یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسین پر　　قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسین پر

تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا

گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بے کس و دل گیر، ہائے ہائے　　فرزندِ فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے

بھالے وہ اور پہلوئے شبیر، ہائے ہائے　　وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر، ہائے ہائے

غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے

خالی کئے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے، جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ　　اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ

صدمے سے زرد ہوگیا سبطِ نبی کا رنگ　　ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ

تھاما گلا جناب نے، ماتھے کو چھوڑ کے

نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے، تین بھال کا تھا ناوکِ ستم　　منہ کھل گیا، الٹ گئی گردن، رُکا جو دم

کھینچی سری گلے کے طرف سے بچشمِ نم　　بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم

ابلا جو خوں، نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا

چلّو رکھا جو زخم کے نیچے، تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اور سلمٰی عدوے دیں　　سر پہ لگائی تیغ کہ شق ہوگئی جبیں

ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں　　بھاگا، گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں

گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی

تھرّا گئی ضریح رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے، ہے غضب　　نکلی رکاب پائے مطہر سے، ہے غضب

پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے، ہے غضب　　غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے، ہے غضب

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا

دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی، عرش گر پڑا

گر کر کبھی اٹھے، کبھی رکھا میں پہ سر　　اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر

حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر　　کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر

اٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے

تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا　　امت نے مجھ کو لوٹ لیا، وا محمدا!

اسوقت کون حقِ رفاقت کرے ادا　　ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا!

انیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر

زینب نکل، حسین تڑپتا ہے خاک پر

پردہ الٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر　　لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خوں جگر

چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر　　اے کربلا! بتا ترا مہمان ہے کدھر

اماں! قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے

پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ　　لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ

کھینچی سری گلے کے طرف سے بچشمِ نم　　بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم

ابلا جو خوں، نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا

چلّو رکھا جو زخم کے نیچے، تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اور سلمٰی عدوے دیں　　سر پہ لگائی تیغ کہ شق ہوگئی جبیں

ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں　　بھاگا، گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں

گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی

تھرّا گئی ضریح رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے، ہے غضب　　نکلی رکاب پائے مطہر سے، ہے غضب

پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے، ہے غضب　　غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے، ہے غضب

قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا

دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی، عرش گر پڑا

گر کر کبھی اٹھے، کبھی رکھا میں پہ سر　　اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر

حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر　　کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر

اٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے

تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا　　امت نے مجھ کو لوٹ لیا، وا محمدا!

اسوقت کون حقِ رفاقت کرے ادا　　ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا!

انیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر

زینب نکل، حسین تڑپتا ہے خاک پر

پردہ الٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر　　لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرقِ خوں جگر

چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر　　اے کربلا! بتا ترا مہمان ہے کدھر

اماں! قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے

پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ　　لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ

سید کدھر تڑپتا ہے، اماں کدھر ہیں آہ　　　کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ

شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے

یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ　　　بس اب سفر قریب ہے، للہ گھر میں جاؤ

اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ　　　یا مرتضےٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ

اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسین کو

یا فاطمہ ! چھپا لو ردا میں حسین کو

بنتِ علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر　　　کٹتا تھا نورِ چشمِ علی کا گلا اُدھر

زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر　　　لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھامے ہوئے جگر

پہنچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر

دیکھا سرِ حسین کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار　　　سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار

ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار　　　بھولے بہن کو اے اسدِ حق کی یادگار

صدقے گئی، لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں

جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ الٰہ میں

بھیا! سلام کرتی ہے خواہر، جواب دو　　　چلّا رہی ہے دخترِ حیدر، جواب دو

سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو　　　کیوں کر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو

جز مرگ، دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی

میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیا! میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں، کیا کروں　　　کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں

کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں، کیا کروں　　　بستی پرائی ہے، میں کدھر جاؤں، کیا کروں

دنیا تمام اجڑ گئی ، ویرانہ ہوگیا

بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہوگیا

ہے ہے! تمہارے آگے نہ خواہر گزر گئی　　　بھیا بتاؤ ، کیا تہ خنجر گزر گئی

آئی صدا ،نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی　　صد شکر جو گزر گئی، بہتر گزر گئی

سرکٹ گیا، ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ ناب کار　　کہیو نہ کچھ زباں سے بہ جز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار　　رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار

بے زار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیسؔ! ضعف سے لرزاں ہے بند بند　　عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند　　عالم پسند لفظ ہیں، سلطاں پسند بند

یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں، خزاں کی بہار ہے

☆☆☆

مرزا سلامت علی دبیرؔ

۱۸۰۳ تا ۱۸۷۵ء

مرثیہ اوّل

دستِ خدا کا قوتِ بازو، حسین ہے — بے شک حسن کا زینتِ پہلو، حسین ہے
خیرُ الوَرا کا یوسفِ خوش رو، حسین ہے — باغِ جناں کے پھولوں کی خوش بو، حسین ہے
ایمان اس کی جان، یہ ایماں کی جان ہے
قرآں دہن ہے اور یہ گویا زبان ہے

ایمان کی سَند ہے محبت حسین کی — مثلِ نماز فرض ہے طاعت حسین کی
ہفتاد حج ہیں، ایک زیارت حسین کی — واجب ہے کائنات پہ بیعت حسین کی
دنیا و دیں کا بیعتِ مولا سے چین ہے
ایمان، زیرِ دستِ جنابِ حسین ہے

لکھا ہے، بے وطن جو امامِ امم ہوئے — کچھ دن حرم کو لے کے مقیم حرم ہوئے
کعبے میں آ کے اور حرم محترم ہوئے — گویا کہ اہلِ بیتِ خدا سب حرم ہوئے
پر، خانہ خدا میں بھی کوفی ستاتے تھے
پیکِ اجل خطوطِ اجل روز لاتے تھے

عباس کے پسر کی زبانی یہ ہے رقم — مہمان تھے حرم میں ابھی شاہِ محترم
اک روز اپنی آنکھ سے کیا دیکھتے ہیں ہم — در پر کھڑا ہے کعبے کے، وہ قبلۂ حرم
پابوس آستانِ حرم، شاہِ دیں کا ہے
اور ہاتھ شہ کے ہاتھ میں روح الامیں کا ہے

چشمِ ادب سے مل کے کفِ شاہِ مشرقین — جبریل دے رہے ندا یوں بہ شور و شین
اے امتِ نبی! یہ نبی کا ہے نورِ عین — بیعت خدا کی ہے، بہ خدا بیعتِ حسین

جو آرزوئے بیعتِ دست خدا کرے

آئے وہ بیعتِ خلفِ مرتضا کرے

یہ ہاتھ وہ ہیں جن سے ملک فیض پاتے ہیں　　بیعت سے ان کی کیوں یہ بشر ہاتھ اٹھاتے ہیں

پہلے دعا سے عرش پہ یہ ہاتھ جاتے ہیں　　مثلِ عصائے کلیم کے یہ کام آتے ہیں

حیرت ہے، کیوں طبق نہ زمیں کے الٹ گئے

ہیہات ! کربلا میں یہی ہاتھ کٹ گئے

ہرگز سنی نہ ایک نے جبریل کی صدا　　بیعت طلب امام سے کی، وا مصیبتا !

کعبے سے عین عرفے کو مولا ہوئے جدا　　تعجیل کی قضا نے نہ حج کر سکے ادا

آواز سنگِ کعبہ نے دی شور و شین سے

اے اہلِ کعبہ !اب نہ ملو گے حسین سے

لکھتے ہیں صاحبانِ تواریخ بیش تر　　جس سال نامِ شہ پہ پڑا قرعۂ سفر

تھی اس برس یہ شدتِ گرما کہ الحذر !　　مثلِ چنار آگ سے جلتا ہے ہر شجر

جائے غبار، ریگ سے شعلے بلند تھے

مجمر، زمینِ گرم تھی، ذرّے سپند تھے

مثلِ تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب　　ہوتی تھی سیخِ موج پہ مرغابیاں کباب

گلخن صدف تھے، دانہ بریاں دُرِ خوش آب　　آتش سے اپنی، لعلِ بدخشاں تھا آب آب

یہ دھوپ تھی کہ دانے کا بچنا محال تھا

دانہ بچا بھی جلنے سے تو خال خال تھا

اِس فصل میں تباہ نبی کا سفینہ تھا　　آوارہ کوہ و دشت میں شاہِ مدینہ تھا

ذی الحج کا چاند، شہ کو غصب کا مہینہ تھا　　اصغر کی زندگی کا نہ کوئی قرینہ تھا

مُنہ گل سا، مثلِ غنچہ تصویرِ خشک تھا

گرمی سے، شیر بانوے شیر خشک تھا

دو دو قدم پہ ہوتے تھے اطفال بے حواس　　اک پانی پانی کہتا تھا اور ایک پیاس پیاس

یوں قافلہ تھا گردِ علم دار حق شناس　　جس طرح پیاسے حشر میں کوثر کے آس پاس

عباسِ شانِ ساقیِ کوثر دکھاتے تھے
رستے میں ساری فوج کو پانی پلاتے تھے

فرماتے تھے حسین غضب کی تپش ہے، ہائے کیا ہو جو ایسی دھوپ میں پانی نہ ہاتھ آئے
کہتے تھے خیر خواہ، نہ وہ دن خدا دکھائے مولا جواب دیتے تھے اللہ ہی بچائے
پانی ابھی تو منزلوں میں پیتے جاؤ گے
آتا ہے اک مقام کہ قطرہ نہ پاؤ گے

بیٹھے تھے رہ زنی کو جو گُم راہ جا بہ جا چلتا تھا راہ چھوڑ کے وہ گُل کا رہ نما
تھا قریہ قریہ حکم یہ ابنِ زیاد کا لوٹوں گا گھر، حسین کو مہماں اگر کیا
ایماں کیا تھا بیچ یزیدِ لعیں کے ہاتھ
غلّہ نہ بیچتا تھا کوئی شاہِ دیں کے ہاتھ

اب یوں کتب میں منزلِ آخر کا ہے بیاں زہرا کا چاند اوّلِ شب کو ہوا رواں
منزل دراز، رات سیہ، راہ بے نشاں جنگل مہیب خارِ مغیلاں یہاں وہاں
تن غازیوں کے کانٹوں سے افگار ہو گئے
مجروح خار سے، گُلِ بے خار ہو گئے

سنبل صفت قبا ہوئی ہر گُل کی تار تار پلکوں کی طرح بھر گئے چشمِ زرہ میں خار
زینب حسین کے لیے ہو ہو کے بے قرار کہتی تھی ڈھال روک لو چہرے پہ، میں نثار
کانٹے غضب ہیں، باگ اٹھائے ہوئے چلو
اکبر کو بھی سپر میں چھپائے ہوئے چلو

فرماتے تھے حسین نہ ہو اتنی بے قرار کافی ہے اے بہن! سپرِ حفظِ کردگار
ہے آج تو فقط خلشِ خار رو بہ کار اک روز تیر نیزے کلیجے سے ہوں گے پار
دل اس مریض کے لیے ہے اضطرار میں
کانٹوں پہ ننگے پا جو پھرے گا بخار میں

ناگاہ صبحِ منزلِ آخر عیاں ہوئی لیکن یہ صبح سبطِ نبی کو کہاں ہوئی
جس جا سواری رک کے نہ آگے رواں ہوئی حیراں سپاہِ خسروِ کون و مکاں ہوئی

عبّاس شانِ ساقیِ کوثر دکھاتے تھے
رستے میں ساری فوج کو پانی پلاتے تھے

فرماتے تھے حسین غضب کی تپش ہے، ہائے — کیا ہو جو ایسی دھوپ میں پانی نہ ہاتھ آئے
کہتے تھے خیر خواہ، نہ وہ دن خدا دکھائے — مولا جواب دیتے تھے اللہ ہی بچائے
پانی ابھی تو منزلوں میں پیتے جاؤ گے
آتا ہے اک مقام کہ قطرہ نہ پاؤ گے

بیٹھے تھے رہ زنی کو جو گم راہ جا بہ جا — چلتا تھا راہ چھوڑ کے وہ کُل کا رہ نما
تھا قریہ قریہ حکم یہ ابنِ زیاد کا — لوٹوں گا گھر، حسین کو مہماں اگر کیا
ایماں کیا تھا بیعِ یزیدِ لعیں کے ہاتھ
غلّہ نہ بیچتا تھا کوئی شاہِ دیں کے ہاتھ

اب یوں کتب میں منزلِ آخر کا ہے بیاں — زہرا کا چاند اوّلِ شب کو ہوا رواں
منزل دراز، رات سیہ، راہ بے نشاں — جنگل مہیب خارِ مغیلاں یہاں وہاں
تن غازیوں کے کانٹوں سے افگار ہو گئے
مجروح خار سے، گلِ بے خار ہو گئے

سنبل صفت قبا ہوئی ہر گُل کی تار تار — پلکوں کی طرح بھر گئے چشمِ زرہ میں خار
زینب حسین کے لیے ہو ہو کے بے قرار — کہتی تھی ڈھال روک لو چہرے پہ، میں نثار
کانٹے غضب ہیں، باگ اٹھائے ہوئے چلو
اکبر کو بھی سپر میں چھپائے ہوئے چلو

فرماتے تھے حسین نہ ہو اتنی بے قرار — کافی ہے اے بہن! سپرِ حفظِ کردگار
ہے آج تو فقط خلشِ خار رو بہ کار — اک روز تیر نیزے کلیجے سے ہوں گے پار
دل اس مریض کے لیے ہے اضطرار میں
کانٹوں پہ ننگے پا جو پھرے گا بخار میں

ناگاہ صبح منزلِ آخر عیاں ہوئی — لیکن یہ صبح سبطِ نبی کو کہاں ہوئی
جس جا سواری رک کے نہ آگے رواں ہوئی — حیراں سپاہِ خسروِ کون و مکاں ہوئی

بدلے چھے گھوڑے دوشِ نبی کے سوار نے
لیکن قدم اٹھایا نہ اک راہ وار نے

وہ رخش جس سے ہوش ہوا کے اڑا کریں
گر اک اشارہ خامس آل عبا کریں
طے راہ شش جہت کی وہ شش باد پا کریں
پر جائیں بیڑیاں جو قضا کی، تو کیا کریں

حیرت سے گھوڑے تو سنِ تصویر بن گئے
نعلوں کے حلقے ،پاؤں کی زنجیر بن گئے

جنبش جو مرکبوں میں نہ پائی حسین نے
اک مشتِ خاک بھر کے اٹھائی حسین نے
خود سونگھی اور بہن کو سنگھائی حسین نے
ہمشیر کی سُنی یہ دہائی حسین نے

ہے ہے! یہ خاک پھینکو، مری جان جاتی ہے
بھیّا! تمہارے خون کی بو اس میں آتی ہے

باشندوں کو وہاں کے یہ مولا نے دی ندا
نام اس زمیں کے جتنے ہیں لو تم جدا جدا
وہ بولے آپ کو ہو مبارک ہر اک بلا
یہ نینوا ہے، ماریہ ہے اور کربلا

مَعبَد ہے یہ کلیم کا مولد مسیح کا
شہ بولے اب یہ ہوئے گا مدفن ذبیح کا

موسیٰ کو یاں شجر میں نظر آئی وہ ضیا
جس روشنی نے نعرہ انا اللہ کا کیا
ہم زیرِ تیغ دیکھیں گے وہ نورِ کبریا
عیسیٰ کو ماں نے غسلِ ولادت تھا یاں دیا

پر ہم نہ بعدِ مرگ بھی یاں غسل پائیں گے
چہلم کو قبر باپ کی، عابد بنائیں گے

عباس کو پکارے ،نہ آگے قدم بڑھاؤ
منزل یہی ہے چھاؤنی پردیسیوں کی چھاؤ
ہم شکلِ مصطفےٰ کو ندا دی بڑھے نہ جاؤ
بیٹا ! قناتیں گھیرو سراچے بھی سب لگاؤ

غرّے کو تو ہوا ہے ہمارا سفر تمام
دسویں کو ہوگا فاطمہ زہرا کا گھر تمام

نقارہ نوبتی نے بجایا مقام کا
یعنی ،یہاں سے کوچ ہے دارالسلام کا
خیمہ بپا ہوا جو شہ خاص و عام کا
بھیجا فلک نے دور سے تحفہ سلام کا

کھولا یہ پردہ خیمہ شہ نے جہان پر
اک عرش ہے زمین پہ، اک آسمان پر

خیمہ تھا یا کہ تاجِ سر کربلا تھا وہ — نکہت میں خلد اوج میں عرشِ علا تھا وہ
وسعت میں مثلِ دامنِ عفوِ خطا تھا وہ — خاکِ شفا زمین تھی دارالشفا تھا وہ

خیمہ نہ کہیے، آئے تھے شہ قتل ہونے کو
پلّا زمیں نے منہ پہ لیا تھا وہ رونے کو

اونچا ہوا فلک سے بھی اوجِ خیامِ شاہ — خیمے کے دو کلس نظر آتے تھے مہر و ماہ
خیمہ تھا یا قضا و قدر کی تھی بارگاہ — فرش اس کا عرش حاجب و درباں جلال و جاہ

زیبِ زمیں جو خیمۂ شبیر ہو گئے
آپس میں عرش و فرش بغل گیر ہو گئے

مہمان کس زمیں پہ ہوئے تھے شہ زماں — خیمہ تھا اپنی چوب سے انگشت در دہاں
گویا زبانِ چوب سے کرتا تھا وہ بیاں — ظلمِ یزید سے تہ و بالا ہیں دو جہاں

سوچ میں زمین و فلک کے پڑا ہوں میں
دیکھو برائے صلح دو عالم کھڑا ہوں میں

وہ دیدۂ زمیں تھا دیا خیمۂ حسین — پلکوں کی طرح گرد طنابیں بہ زیب و زین
اس چشم کو خدا نے دیا نورِ مشرقین — پتلی تھی اس کی فاطمہ زہرہ کا نورِ عین

بنیادِ کفر میں خلل اس وقت پڑ گئے
ہر جا ستونِ دین کے میخوں سے گڑ گئے

باندھیں لگامیں غازیوں نے نیزے گاڑ کر — اور فرش زین پوش کیے گرد جھاڑ کر
جنگل بسایا چرخ نے بستی اجاڑ کر — بولے علی کفن کو گریبان پھاڑ کر

جنگل میں اہلِ بیتِ رسالت کا گھر ہوا
آخر مرے حسین کا پہلا سفر ہوا

وہ وقتِ صبح اور وہ بیابان کی ہوا — وہ چھاؤنی حسین کے لشکر کی جا بہ جا
وہ مرکبوں کے بولنے کی چار سو صدا — وہ خیمے وہ سراچے وہ بے چوبے خوش نما

اڑنا پھر ہروں کا، وہ چمکنا نشان کا
وہ ابر ڈھال کا ، وہ مہ نو کمان کا

بستر پہ کوئی آیا کوئی سیر کو گیا　　کوئی سپر کو زیرِ بغل رکھ کے سو گیا
مصروف اک تلاوتِ قرآں میں ہوگیا　　آکر فرات پر کوئی منہ ہاتھ دھو گیا

عباس سبز پوش کھڑے تھے فرات پر
جس طرح خضر چشمۂ آبِ حیات پر

کہتے تھے دل شگفتہ ہے گو غنچہ دار ہے　　آبِ رواں ادھر تو ادھر سبزہ زار ہے
گر بچ میں ہو قبر مری تو بہار ہے　　دریا میں شور تھا یہی تیرا مزار ہے

صحرا میں قہرِ فوج شہِ نیک ذات ہے
عباس! آبرو مری اب تیرے ہاتھ ہے

مداح کربلا تھے رفیقانِ شاہِ دیں　　کہتے تھے کیا لطیف ہے واللہ یہ زمیں
مطلق ملال قطع منازل کا اب نہیں　　آب وہوا ہے کوثر وفردوس کی یہیں

صحرا ہے یا کہ قدرتِ ربِ غفور ہے
ہر خار، باغِ خلد ہے ہر ذرّہ حور ہے

مرقوم ہے کہ شجرِ سدرہ تھا وہاں　　شاخ اس کی اک رفیق نے کی قطع ناگہاں
شاخِ بُریدہ سے ہوا تازہ لہو رواں　　سب نے کہا یہ کیا؟ تو پکارے شہِ زماں

خوں غازیوں کا جمعے کو اعدا بہائیں گے
تیغوں سے نونہال علی کاٹے جائیں گے

کب اس زمیں نے پائے تھے یہ لعل یہ گہر　　یہ پھول یہ ستارے ،یہ خورشید یہ قمر
آئے سب اہلِ قریہ زیارت کو یک دگر　　نکلیں گھروں سے بیبیاں برقع سنبھال کر

بولا کوئی کہ نام خدا ،کیا سپاہ ہے!
اک نے کہا کہ واہ عجب بادشاہ ہے!

یہ خسروِ عرب ہے کہ ایراں کا شہر یار　　یہ ہے عزیزِ مصر کہ کنعاں کا تاج دار
کیوں نکلا ایسے وقت میں گھر سے یہ بے دیار　　ہر سو فساد وفتنہ ہے اور قحط کی پکار

ہے ہے یہ سہمے بچوں سے کس جا ملیں ہوا
آباد اس زمین پہ کوئی نہیں ہوا

مولا کے اک رفیق نے بڑھ کر یہ دی ندا — تم کلمہ کس کا پڑھتے ہو؟ بولے، رسول کا
اس نے کہا یہ ان کا نواسا ہے لاڈلا — بے رحمی یزید سے ترکِ وطن کیا

جاری تمہاری بستیوں میں یہ جو نہر ہے
یہ نہر اس غریب کی مادر کا مہر ہے

آوازِ دورباش کا ناگاہ غُل اٹھا — اور خیمے میں اترنے لگی آلِ مصطفا
ڈیوڑھی سے پر کجاوۂ زینب جوں ہی لگا — خود اہتمام کرنے لگے شاہِ کربلا

روکی قنات اکبر و قاسم نے آن کر
عباس گرد پھرنے لگے نیزہ تان کر

درباں عصا اٹھا کے بڑھے جانبِ یسار — دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیاں چلائیں بار بار — آئے ادھر سے اب نہ کوئی جائے ہوشیار!

آوازِ غیر سن کے وہ اندیشہ کرتی ہیں
آہستہ بولو، دخترِ زہرا اترتی ہیں

عفت کے جتنے مرتبے خیرالنسا نے پائے — وہ ماں کے بعد، دخترِ مشکل کشا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو! نہ کوئی غل مچانے پائے — ناقے پہ بیٹھ کر نہ ادھر کوئی آنے پائے

حسنِ ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

اتری جو اپنے ناقے سے نسبتِ شہ عرب — اور ہاتھوں ہاتھ لے گئے آلِ رسول سب
اس قاعدے کو بھول گیا چرخ، ہے غضب — غرّے تلک یہ پردہ تھا زینب کا، یہ ادب

دسویں کو بال کھولے ہوئے ننگے سر پھریں
چادر چھنی، رسن میں بندھیں، در بہ در پھریں

مسند پہ یاں بیٹھا کے بہن کو شہِ ہُدا — کرسی پہ آ کے بیٹھے قریبِ حرم سرا
تھے دست بستہ، گرد جوانانِ مہ لقا — لے لے کے نذریں آئے زمیں دارِ کربلا

استادہ فرطِ خلق سے شبیر ہوگئے
نذروں پہ ہاتھ رکھ کے، بغل گیر ہوگئے

بٹھلا کے پہلوؤں میں انہیں یوں کیا بیاں — اے کربلائیو ! میں تمہارا ہوں میہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں جاتا ہوں میں جہاں — بیچو جو یہ زمین، تو چندے رہوں یہاں

اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سید کی، بے وطن کی، مصیبت نصیب کی

سودا رضا کے ساتھ ہے، جور و جفا نہیں — جبراً درست شرع میں بیع و شرا نہیں
پر اب سوا یہاں کے ٹھکانا مرا نہیں — بیچو تو خیر ورنہ مجھے کچھ گلا نہیں

رہنے سے یاں ہمارے سب آرام پائیں گے
خاکِ شفا تمہاری زمیں کو بنائیں گے

سب نے کہا کہ عذر ہمیں کیا ہے، یا امام! — حاضر غریب خانہ ہے، واں کیجیے قیام
پر کربلا کی بیچ میں ہے خوف لا کلام — آزار پاتے آئے ہیں یاں انبیا تمام

ابنِ ابوتراب سے پیاری زمیں نہیں
پر یہ زمین لائقِ سلطانِ دیں نہیں

پاؤں پہ صدمہ سنگ کا، آدم اٹھا گئے — پتھر پہ گر کے یاں سے خلیلِ خدا گئے
طوفاں کے موجے، نوح کی کشتی پہ آگئے — پر سنتے ہیں کہ آپ کے بابا بچا گئے

شہ بولے سرنوشت میں کب فرق ہوئے گا
اب یاں جہاز آلِ نبی غرق ہوئے گا

افضل زمینِ کعبہ سے ہے ارضِ کربلا — میں جانتا ہوں اس کا شرف یا مرا خدا
بننے تو دو مزار حسینِ شہید کا — پھر دیکھنا، یہ خاک ہے یا نورِ کبریا

یوسف نہ ہوگا، پر یہاں بازار ہوئے گا
زوّار آئیں گے، مرا دربار ہوئے گا

دیکھو مرے محبوں کو تم چین دیجیو — مہمان تین دن مرے زائر کو کیجیو
گر کچھ قصور ان سے ہو، بدلا نہ لیجیو — پیاسوں کو میرے روئیو، جب پانی پیجیو

پانی ابھی تو ملتا ہے زہرا کے جانی کو
پر ساتویں سے ترسیں گر معصوم پانی کو

دینار دے کے ساٹھ ہزار ان کو، یہ کہا　　میں نے تمہیں یہ بخشے، زمیں تم کرو ہبا
شبیر کے معاملے پر سب نے رد دیا　　لکھنے لگے قبالہ زمیندارِ کربلا
غل پڑ گیا، حسین وطن کو نہ جائیں گے
لو مول لی زمیں، یہیں بستی بسائیں گے

مرقوم ہو رہا تھا قبالہ کہ ناگہاں　　خاتونِ محترم ہوئی خیمے سے اک عیاں
تھی چہرے پر نقاب تو برقع میں تن نہاں　　پر اس پہ بھی حیا سے لرزتے تھے استخواں
بے تاب ہو کے الفتِ اکبر سے آئی تھی
راوی نے یہ لکھا ہے کہ زہرا کی جائی تھی

آہستہ کچھ کہا شہِ دیں سے بہ التجا　　اور جلد یوں پھری کہ نہ سایہ نظر پڑا
کرسی سے یاں تڑپ کے گرے شاہِ کربلا　　عباس نے اٹھا کے کہا، ہائے کیا ہوا
فرماؤ کچھ، قسم تمہیں شیرِ بتول کی
کیا کہہ گئی نواسی جنابِ رسول کی

شہ بولے آہ مجھ سے یہ زینب کا تھا کلام　　بھیا قبالے میں مرے اکبر کا ہوئے نام
یعنی کہ اس کے مِلک میں ہو یہ زمیں تمام　　عباس ! جاؤ کہہ دو کہ مجبور ہے امام
اٹھارہ سال کے یہ زمانے سے جائیں گے
اک قبر کی جگہ علی اکبر بھی پائیں گے

پر مجھ کو اس کی دل شکنی کا خیال ہے　　کہیو، بہن ! مجھے تری خاطر کمال ہے
مجبور ہوں میں عفو کا تجھ سے سوال ہے　　اکبر کے نام پر یہ قبالہ محال ہے
قبضہ کریں غلام ترے اس مقام پر
کی وقف یہ زمیں ترے شیعوں کے نام پر

عباس آئے خیمے میں کہنے کو یہ پیام　　زینب نے دیکھتے ہی انہیں، یہ کیا کلام
کیوں بھائی! میری بات پہ راضی ہوئے امام　　لکھا گیا قبالے میں اکبر کا میرے نام

دولھا بناؤں گی میں دلھن بیاہ لاؤں گی
اکبر کے نام کی یہاں بستی بساؤں گی

یوسف سے ملکِ مصر ہے منسوب جا بہ جا — مکہ ہے مرتضیٰ کا مدینہ رسول کا
مشہور ہو یوں ہی مرے اکبر کی کربلا — آواز دی قضا نے کہ جو مرضیِ خدا
جب سے بنائے کرسی و عرشِ مجید ہے
مشہور کربلائے حسینِ شہید ہے

عباس روئے حسرتِ زینب پہ زار زار — وہ صابرہ بھی رونے لگی ہو کے بے قرار
عباس کی بلائیں لیں گھبرا کے بار بار — پوچھا، میں صدقے جاؤں کہو کیا ہے رو بہ کار
میں جانتی تھی خوش خبری لے کے آئے ہو
تم ہاتھ دل پہ رکھے ہو گردن جھکائے ہو

شاید مرا سخن ہوا بھائی کو ناگوار — جیتے رہیں حسین کے جتنے ہیں ورثہ دار
عابد پہ بھی میں صدقے ہوں اصغر پہ بھی نثار — اکبر کا پالنے سے زیادہ ہے چاہ و پیار
اکبر کے نام پر یہ سند کس کو شاق ہے
فضلِ خدا سے بھائیوں میں اتفاق ہے

عباس بولے اس کا تو واں ذکر کچھ نہیں — ہر بات ہے حضور کی مقبول شاہِ دیں
شہ نے ہبا کی آپ کے شیعوں کو یہ زمیں — کیجیے گا سفارشِ اکبر نہ اب کہیں
بھائی مرے کریم ہیں، شرما کے روئیں گے
اکبر اسی زمین کے پیوند ہوئیں گے

یہ سن کے روئے یوں حرمِ شاہِ محترم — گویا اسی گھڑی سرِ اکبر ہوا قلم
خوف و رجا میں روزِ نہم تک رہے حرم — عاشور کو امید ہوئی قطع یک قلم
رختِ سفید لے کے سردست آئی صبح
رنڈ سالہ ، نذرِ بانوئے شبیر لائی صبح

واں تو کلیدِ مہر سے قفلِ سحر کھلا — یاں روئے اہلِ بیت پہ ماتم کا در کھلا
اشکِ رواں کا تار بندھا اور سر کھلا — قرنا ہوئی ،نشانِ سپاہِ عمر کھلا

دربارِ حق میں خیمے سے شاہِ زمن چلے
سر لے کے نذر ہاتھ میں ستر دو تن چلے

روشن ہوا حسینیوں کے نور سے جو رَن
چشمِ جہاں میں خار ہوئی مہر کی کرن

انجم کی انجمن تھی وہ یا فوجِ پنج تن
پر دوپہر تلک تھی یہ صحبت یہ انجمن

گل دستے کی طرح تو بہم یہ جواں ہوئے
اور لوٹنے کے واسطے باغی رواں ہوئے

فوجِ ستم بڑھی کہ خزاں کی ہوا چلی
گل زارِ اہل بیت کی توڑی کلی کلی

چلائی بال کھول کے زہرا کی لاڈلی
فریاد یا رسولِ خدا داد یا علی!

باغِ رسول، باغِ علی، باغِ فاطمہ
ایسا لٹا کہ ہوگیا تا عصر خاتمہ

تنہا تھا سروِ فاطمہ، کوئی ثمر نہ تھا
بازو تھے دونوں قوتِ بازو مگر نہ تھا

باقی تھی آنکھ رونے کو نورِ نظر نہ تھا
دردِ جگر تھا پر کوئی لختِ جگر نہ تھا

سب فوج الوداع شہ دیں سے کہہ گئی
مظلومی و غریبی و تنہائی رہ گئی

ناگاہ اک غبار رہ کوفہ سے اٹھا
اور برچھیوں کی بجلیاں چمکیں جدا جدا

پیدا ہو سوارِ زرہ پوش بر ملا
بھالے لیے جلو میں ملازم پیادہ پا

ابرو پہ بل پڑے ہوئے، تیغِ جفا لیے
دیکھا اسے لعینوں نے اور سر جھکا لیے

ناری تھا وہ سوار، تو شعلہ تھا راہ رو
وہ زین پر تھا سر پہ شقی کے اجل سوار

پہنچا جو وہ قریب تو بولے جفا شعار
بھاگو، ہوئی وہ مرگ، مفاجات آشکار

چہرہ ہے یا بلا ہے، نگہ ہے کہ زہر ہے
گر یہ محب حسین کا نکلا، تو قہر ہے

اس وقت در پہ خیمے کے زینب تھی بے قرار
بھائی سے ناامید، بلا کی امیدوار

پایا جو یک بہ یک صفِ دشمن میں اضطرار
آواز دی کہ سید بے کس ترے نثار!

اعدا نے دفعتاً جو سر اپنا جھکایا ہے
کیا اس گھڑی یمن سے کوئی شیعہ آیا ہے

تنہا ہے یا کہ ساتھ ہیں کچھ اور ہم سفر — اللہ فوجِ شام پہ بخشے اسے ظفر
چوتھے برس نہ بالی سکینہ ہو بے پدر — بھابی مری پھرے نہ ضعیفی میں ننگے سر
پر آہ خیریت نہیں معلوم ہوتی ہے
آنے سے اس کے فاطمہ کی روح روتی ہے

فرمایا شاہِ دیں نے، کرو صبر اے بہن — یہ کربلا کجا و کجا شیعۂ یمن
کوئی حسین کا نہیں بجز ربِ ذوالمنن — لڑنے کو ہم سے آیا ہے اک گبرِ فیل تن
کیوں کر نہ روئیں شبیر نسا شور و شین سے
ناطاقتی میں دیکھیے کیا ہو حسین سے

زینب سر اپنا پیٹ کے چلائیں، ہے ستم! — بے داد کرنے کے لیے یہ فوج کیا ہے کم
رن میں وہ پہلوانِ سیہ دل، زبوں شیم — آیا عمر کے سامنے با شوکت و حشم
مجرا کیا غرور سے نیزہ سنبھال کے
اک خط دیا عمر کو کمر سے نکال کے

بولا شقی، میں بصرے سے کوفے میں پہنچا کل — حاکم نے بھیجا یاں کہ یہ عقدہ کروں میں حل
لائی ہے واں سے یاں مجھے شبیر کی اجل — ابنِ زیاد کے تو نوشتے پہ کر عمل
ہاں سب سے کہہ دے کھولیں کمر بیٹھیں چین سے
اب پہلوانِ بصرہ لڑے گا حسین سے

بولا یہ ابنِ سعد نہ کر دیر اے جواں — ہمراہیوں کو لے کے وہ کافر ہوا رواں
نیزہ ہلاتا آیا حضورِ شہِ زماں — پڑھنے لگا رجز کہ ہوں بصرے کا پہلواں
القاب بولہب ہے، تو آتش مزاج ہوں
میں فخرِ زال و رستم و سہراب آج ہوں

سابق میں سر اٹھایا تھا سہراب و سام نے — آئے نہ خواب میں بھی مگر میرے سامنے
رونق یہ پہلوانی کو دی میرے نام نے — بصرے میں مجھ کو باج دیا خاص و عام نے

چاہوں جو میں، جنوں کو نکالوں زمین سے
مثلِ سپر پہاڑ اٹھالوں زمین سے

وہ چہرۂ جلالِ خدا مرتضیٰ کا لال — قہر و جلال سے ہوا سورج کی طرح لال
فرمایا لعلِ لب سے کہ بس بس زباں سنبھال — یہ کبر، یہ غرور، یہ نخوت کی بول چال
ہاں زخم باندھ لوں میں ردائے بتول سے
پھر کچھ کہوں زبانِ خدا و رسول سے

پھر جلد جلد باندھ لیے زخمِ دست و پا — پر دل میں زخمِ مرگِ پسر کا نہ بندھ سکا
اور چپکے چپکے خالقِ عالم سے کی دعا — لکنت زباں کو پیاس سے ہے جو تری رضا
آئی ندائے غیب، کدھر تیرا دھیان ہے
اے افصح العرب! تو خدا کی زبان ہے

یوں مصحفِ رجز شہ دیں نے کیا شروع — ہاں پہلوانِ بصرہ! سماعت میں ہو رجوع
جب سے نجوم و شمس و قمر کا ہوا طلوع — جب سے بشر پہ فرض ہوا سجدہ و رکوع
کیا کیا ہوا ہے اور ابھی کیا کیا نہ ہوئے گا
لیکن حسین اب کوئی پیدا نہ ہوئے گا

روشن ہے رتبہ نانا کا ماہی سے تا بہ ماہ — قدرت پہ ان کی چاند کے دو ٹکڑے دو گواہ
جرمِ قمر کے بیچ میں جو ہے خطِ سیاہ — کلمہ لکھا ہے حق نے کہ قدسی کریں نگاہ
کلمے میں نامِ احمد و اسمِ علی لکھا
ان کو رسول اپنا اور ان کو ولی لکھا

دوشِ نبی کی سپر استوار ہوں — تیغ نیامِ قدرت پروردگار ہوں
میں شیر بیشۂ شہِ دلدل سوار ہوں — قبضے میں کائنات ہے، پر بے دیار ہوں
تو شک ہے، میں یقیں، تو گنہ میں ثواب ہوں
تو بولہب ہے میں خلفِ بوتراب ہوں

بولا وہ بددماغ یہ معلوم ہے مگر — شمشیر و تیر و نیزے کا جوہر ہے معتبر
شہ نے کہا کہ سب میں مرا امتحان کر — ہٹ کر شقی نے نیزے کو گردش دی گردِ سر

بھالا سنبھالا شہ نے تو غل برمحل اٹھا
اب خیر جان کی نہیں دستِ اجل اٹھا

اٹھتے ہی نیزہ لینے لگا باج راہ دار — صرصر سے جست، رعد سے غل برق سے شرار
جلنے لگے زمین پہ ذرّے سپند وار — دودِ سیہ اٹھا عوضِ گرد بے شمار
پر ذوالجناح صاف دھویں سے نکل گیا
ہاروت تھا کہ اڑ کے کنویں سے نکل گیا

نیزے کو اس کے لے گیا یوں نیزۂ جناب — چنگل میں جیسے داب لے کنجشک کو عقاب
زہ اس نے کی کمانِ کیانی بہ صد شتاب — لیکن کمان سہمی کہ مجھ پر نہ ہو عتاب
جان اس کی ساتھ تیر کے سن سے نکل گئی
اک آہِ سرد تھی کہ دہن سے نکل گئی

حمزہ صفت بڑھا پسرِ ضیغمِ صمد — کھینچا الف خدنگ کا، دے کر کماں کا مد
قربان ہو کے بولی کماں یا علیؑ مدد! — اور تیر نے نشانہ کیا دیدۂ حسد
نیزہ خنگ کی طرح چلا غیظ و خشم میں
پُتلی کی ڈھال توڑ کے جا پہنچا چشم میں

چشمِ عدو کی تیر سے نام آوری ہوئی — انگشتِ تیر شہ کی وہ انگشتری ہوئی
پر تیر کے پروں سے پلک تھی بھری ہوئی — مردم پکارے بند قفس میں پری ہوئی
باقی رکھا نہ ابروئے کج کے نشان کو
چلّائے سب، وہ تیر نے توڑا کمان کو

پھینکی زمیں پہ اس نے کماں ہو کے شرمسار — کورانہ تیغ کھینچ لی، بڑھ کر لگایا وار
نکلی شبِ نیام سے یاں صبحِ ذوالفقار — بصری تو بھاگا کوفی و شامی ہوئے فرار
آئی ندا فلک سے اٹھا غل زمین سے
دیکھو وہ نکلا دستِ قضا آستین سے

اللہ رے حلم، اس سے مخاطب ہوئے امام — آخر تھا ایک طعنِ سناں ہی میں تیرا نام
پر وقفہ اس لیے دیا اوگبرِ تیرہ فام — تا حرب گاہ میں ترے حربے چلیں تمام

ہے سر پہ تیری موت کہ یہ ذوالفقار ہے
اک وار میں تو نار سے اب ہم کنار ہے

ہاتھوں میں بولہب نے لیا گرزِ گاؤ سر
خیرالبشر کا لال ادھر، وہ شقی اُدھر
اور بیچ میں وہ گرزِ گراں بار، الحذر !
جس طرح داو عطف کا مابینِ خیر و شر
ظالم ارادۂ سرِ مولا کیے ہوئے
ہاتھوں میں اپنے گرزِ گراں سر لیے ہوئے

سو سو طرح سے گرز وہ لایا قریب تر
لیکن حسین کو نہ ذرا بھی ہوا ضرر
شہ نے دو انگلیوں سے سرِ گرز تھام کر
جھٹکا دیا کہ بولہب آیا زمین پر
ہاتھ اس کے دونوں ٹوٹ گئے، رنگ فق ہوا
تَبَّت یَدَا اَبِی لَہَب کا سبق ہوا

دنیا کی جب، ہوئی اسے حَمَّالَۃَ الحَطَب
اور نارِ قہر، گری تیغ شہرِ عرب
جل کر یہ بولہب بھی گیا پیشِ بولہب
ہم راہیوں پہ اس کے بڑھے شاہِ تشنہ لب
پھر فرد فرد کا سرِ امید پست تھا
تقویمِ سرنوشت میں خطِ شکست تھا

جنگل، سپر کے پھولوں سے گل زار ہوگیا
سر کٹ کے یہ گرے کہ اک انبار ہوگیا
چار آئینوں سے شیشے کا بازار ہوگیا
رن، برقِ تیغ سے، کرۂ نار ہوگیا
سب خوفِ تیغِ شہ سے پریشان پھرتے تھے
پاؤں تو پیچھے ہٹتے تھے، سر آگے گرتے تھے

حکمِ خدا سے ایک فرشتے نے دی ندا
ان فاقوں میں یہ زور ہے، سید ترے فدا
پر یہ بشر ہیں اور تو ہے قدرتِ خدا
بس لڑ چکے، نمازِ شہادت کرو ادا
یہ سن کے خوفِ حق سے دُرِ اشک گر گئے
قبلے کو مثلِ قبلہ نما شاہ پھر گئے

اس دم عمر نے جمع کیا سب کو ایک جا
روحِ معاویہ کی قسم دے کے، یہ کہا
باگیں اٹھاؤ اب نہ تامل کرو ذرا
ہیں سوئے قبلہ صرفِ دعا شاہِ کربلا

ہے سر پہ تیری موت کہ یہ ذوالفقار ہے
اک وار میں تو نار سے اب ہم کنار ہے

ہاتھوں میں بولہب نے لیا گرزِ گاوسر خیرالبشر کا لال ادھر، وہ شقی اُدھر
اور بیچ میں وہ گرزِ گراں بار، الحذر ! جس طرح واو عطف کا مابینِ خیر و شر
ظالم ارادۂ سرِ مولا کیے ہوئے
ہاتھوں میں اپنے گرزِ گراں سر لیے ہوئے

سو سو طرح سے گرز وہ لایا قریب تر لیکن حسین کو نہ ذرا بھی ہوا ضرر
شہ نے دو انگلیوں سے سرِ گرز تھام کر جھٹکا دیا کہ بولہب آیا زمین پر
ہاتھ اس کے دونوں ٹوٹ گئے، رنگ فق ہوا
تَبَّت یَدَا اَبِی لَہَب کا سبق ہوا

دنیا کی جُب، ہوئی اسے حَمَّالَۃَ الحَطَب اور نارِ قہر، گرمیِ تیغِ شہِ عرب
جل کر یہ بولہب بھی گیا پیشِ بولہب ہم راہیوں پہ اس کے بڑھے شاہِ تشنہ لب
پھر فرد فرد کا سرِ امید پست تھا
تقویمِ سرنوشت میں خطِ شکست تھا

جنگل، سپر کے پھولوں سے گل زار ہوگیا سرکٹ کے یہ گرے کہ اک انبار ہوگیا
چار آئینوں سے شیشے کا بازار ہوگیا رن، برقِ تیغ سے، کرۂ نار ہوگیا
سب خوفِ تیغِ شہ سے پریشان پھرتے تھے
پاؤں تو پیچھے ہٹتے تھے، سر آگے گرتے تھے

حکمِ خدا سے ایک فرشتے نے دی ندا ان فاقوں میں یہ زور ہے، سید ترے فدا
پر یہ بشر ہیں اور تو ہے قدرتِ خدا بس لڑ چکے، نمازِ شہادت کرو ادا
یہ سن کے خوفِ حق سے ذرا اشک گر گئے
قبلے کو مثلِ قبلہ نما شاہ پھر گئے

اس دم عمر نے جمع کیا سب کو ایک جا روحِ معاویہ کی قسم دے کے، یہ کہا
باگیں اٹھاؤ اب نہ تامل کرو ذرا ہیں سوئے قبلہ صرفِ دعا شاہِ کربلا

حملہ کرو حسین پہ نیزے سنبھال لو
نوکوں سے برچھیوں کی کلیجا نکال لو

تیغیں پکڑ پکڑ کے جو بے رحم آتے تھے — حضرت یہاں جوان پسر کو بلاتے تھے
اکبر وہاں گئے تھے کہ آنے نہ پاتے تھے — عباس کو پکارنے دریا پہ جاتے تھے
امت کے واسطے نہ تن و سر دریغ تھا
سینہ حضورِ نیزہ تھا، سر پیشِ تیغ تھا

کوفے سے ایک ناقہ سوار آیا ناگہاں — اک خط عمر کو دے کے یہ اس نے کیا بیاں
ابنِ زیاد نے یہ کہا ہے کہ اے جواں — سید کے سر کا کب سے ہوں میں منتظر یہاں
سر کاٹنے میں آج نہ تاخیر کیجیو
دم لینے کی حسین کو مہلت نہ دیجیو

تیری بہادری سے تعجب کا ہے مقام — غُرّے سے اب تلک نہ مٹا فاطمہ کا نام
آراستہ ہیں کوچہ و بازار یاں تمام — کیا عید ہو جو آئے تو لے کر سرِ امام
جب تیرے ہاتھ سے سرِ شبیر لوں گا میں
سیدانیوں کی لوٹ تجھے بخش دوں گا میں

سنتے ہی یہ ،سپاہ کو ظالم نے دی صدا — تم نے سنا کہ جو شتر اسوار نے کہا
باگیں اٹھاؤ، اب نہ تامل کرو ذرا — تاخیر میں عتاب ہے، تعجیل کی ہے جا
کوفے سے حکم آیا ہے ابنِ زیاد کا
وقفہ نہ دو امامِ امم کو جہاد کا

یہ سن کے چار لاکھ نے مل کر یُرش کیا — چاروں طرف سے برچھیوں میں آہ لے لیا
قرآں کو رحلِ زیں سے زمیں پر گرا دیا — نوحہ کیا زمیں نے کہ فریاد کبریا !
مٹتا ہے آج نام علی و بتول کا
ہوتا ہے قتل آہ نواسا رسول کا

جلاّد آستین چڑھاتا ہوا چلا — خنجر پہ انگلیوں کو پھراتا ہوا چلا
مجمع کو راس و چپ سے ہٹاتا ہوا چلا — ارکانِ عرشِ حق کو ہلاتا ہوا چلا

اب کیا کہوں کہ پاؤں رکھا کس مقام پر
پھٹتا ہے سینہ حالِ شہِ تشنہ کام پر

روحِ رسول کہتی تھی جلاد ! رحم کر — یہ سینہ میرا سینہ ہے یہ سر ہے میرا سر
یہ دل ہے میرا دل، یہ جگر ہے مرا جگر — یہ میرا نورِ عین ہے، یہ ہے مرا پسر
بیٹھا ہے تو حسینِ دلاور کے سینے پر
یہ لوٹتا تھا تیرے پیمبر کے سینے پر

زہرا پکاری عرشِ الٰہی ہلاؤں گی — اے شمر! تجھ پہ آہ کی بجلی گراؤں گی
اس کو نہ مارے گا تو دعا دیتی جاؤں گی — محشر میں حُر سے پہلے تجھے بخشواؤں گی
اس نوحے پر بھی، عرش کو اس نے ہلا دیا
خنجر کو بوسہ گاہِ نبی سے ملا دیا

غل پڑ گیا حسین نے سر کو فدا کیا — اعدا نے جشنِ فتح کا ساماں بپا کیا
رخ شمر نے سوئے حرمِ مصطفا کیا — اک نیزے پہ علم سرِ شاہِ ہُدا کیا
پردہ اٹھائے دیکھتی تھی خواہرِ حسین
نیزے پہ اس کے آگے چڑھایا سرِ حسین

زینب نے ہائے بھائی کہا اور نکل پڑی — بانو نے پھینکی سر سے ردا اور نکل پڑی
کبریٰ پکاری وا ابتا اور نکل پڑی — چلّائی فضہ، ہائے خدا، اور نکل پڑی
آگے تو بے حواس حرم روتے جاتے تھے
پیچھے پکارتے ہوئے سب بچے آتے تھے

سیدانیوں سے بڑھ کے یہ اک شخص نے کہا — دیکھو تمہارے بچے تڑپتے ہیں جا بہ جا
کیوں ان سے بے خبر ہو ابھی ان کا سن ہے کیا — بیویں پکاریں، قہر ہوا، وامصیبتا!
دنیا میں ہم نہیں ہیں جہاں سے گزر گئے
گھر کس کا، بچے کس کے، کہ شبّیر مر گئے

ناگاہ شہ کا لاشۂ بے سر نظر پڑا — سر تاجِ اہلِ بیت، زمیں پر نظر پڑا
گویا گلو بریدہ پیمبر نظر پڑا — زینب کو غرقِ خوں جو برادر نظر پڑا

رکھ کر کٹے گلے پہ گلا، یوں لپٹ گئی
سمجھے یہ اہلِ بیت کہ دنیا الٹ گئی

گہ دل خراش بَین تھے گہ یاس کے بیاز، گہ واحسین کہتی تھی رو رو کے خستہ جاں
لے کر بلائیں لاش کی کرتی تھی یہ فغاں بھیّا مٹا گئے مرے ماں باپ کا نشاں
زہرا کی جان، روحِ علی ! آہ کیا کیا
امت نے کس گنہ پہ ترا سر جدا کیا

اے مومنوں کے پشت و پنہ، آہ اے حسین اے سیدوں کے تاج وکلہ، آہ اے حسین
اے خسروِ قلیل سپہ، آہ اے حسین بے چارہ وغریب و تبہ، آہ اے حسین
ہَے ہَے اخی ! تو جان سے اپنی گزر گیا
میں آج مرگئی ،مرا سب کنبہ مرگیا

پھر آپ کی سواری نہ سوئے وطن گئی کیوں ساتھ آپ کے نہ عدم کو بہن گئی
اس کربلا کے بن میں یہ کیا تجھ پہ بن گئی تصویرِ نانا جان کی تیروں سے چھن گئی
مرجاؤں گی تڑپ کے، دلاسا شتاب دو
بھیّا کس آسرے پہ جیوں میں، جواب دو

بیمار تم نہیں کہ شفا کی رکھوں میں آس جاتے اگر سفر میں تو پھر آتے میرے پاس
زخمی نہیں کہ زخم سیوں، دھو کے سب لباس قیدی نہیں کہ تم کو چھڑاؤں میں بے حواس
لاؤں کہاں سے فاتحِ بدر و حنین کو
ہوتے علیؑ تو کہتی، جلادو حسینؑ کو

ہے اب تو یہ بہ خیر کہ دنیا میں پھر تم آؤ زینب کی وارثی کرو اور پردے میں بٹھاؤ
آخر کہاں رہوں میں ٹھکانا مرا بتاؤ آئی ندا کہ در بدری کے قلق اٹھاؤ
زینب ! امیدوارِ نزولِ بلا رہو
جب تک میں بے کفن رہوں، تم بے ردا رہو

اب وقت ہے دعا کا کہ ہے شدتِ بکا آمیں کہیں دبیرؔ! محبانِ مرتضا
یارب ! ہیں کتنے شیعۂ سلطانِ لافتا مقصد برآئیں سب کے مع بانیِ عزا

یارب! نہ کوئی غم ہو انہیں جز غمِ حسین
ان دوستوں کے ہاتھ ہوں اور ماتم حسین

مرثیہ دوم

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رستم کا جگر زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے — سب ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نہ قلعۂ افلاک کے در بند — جلادِ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمرِ چرخ سے جوزا کا کمر بند — سیارے ہیں غلطاں صفتِ طائرِ پر بند
انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

خود فتنۂ وشر پڑھ رہے ہیں فاتحِ خیر — کہتے ہیں انا العبد لرز کر صنم و دیر
جاں غیر ہے، تن غیر، مکیں غیر، مکاں غیر — نے چرخ کا ہے دور، نہ سیاروں کی ہے سیر
سکتے میں فلک خوف سے مانندِ زمیں ہے
جز بختِ یزید، اب کوئی گردش میں نہیں ہے

بے ہوش ہے بجلی، پہ سمندان کا ہے ہشیار — خوابیدہ ہیں سب، طالعِ عباس ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید، علم ان کا نمودار — بے نور ہے منہ چاند کا، رخ ان کا ضیا بار
سب جزو ہیں، کُل رتبے میں کہلاتے ہیں عباس
کونین پیادہ ہیں، سوار آتے ہیں عباس

چمکا کے مہ و خور، زرد نقرہ کے عصا کو — سرکاتے ہیں پیرِ فلک پشتِ دوتا کو
عدل آگے بڑھا، حکم یہ دیتا ہے قضا کو — ہاں باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو

گھر لوٹ لے بغض وحسد وکذب وریا کا
سر کاٹ لے حرص وطمع ومکر ودغا کا

راحت کے محلّوں کو بلا پوچھ رہی ہے
ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر سے عمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے
دوزخ کا پتہ فوجِ جفا پوچھ رہی ہے

غفلت کا دل چونک پڑا خوف سے مل کر
فتنے نے کیا خواب، گلے کفر سے مل کر

روکش ہے اس اک تن کا نہ بہمن، نہ تہمتن!
سہراب ونریمان وپشن، بے سرو بے تن
قاروں کی طرح تحتِ زمیں غرق ہے قارن
ہر عاشقِ دنیا کو ہے دنیا، چہ بیون

سب بھول گئے اپنا حسب اور نسب آج
آتا ہے جگر گوشۂ قتالِ عرب آج

ہے شور فلک کا کہ یہ خورشیدِ عرب ہے
انصاف یہ کہتا ہے کہ چُپ، ترکِ ادب ہے
خورشیدِ فلک، پرتوِ عارض کا لقب ہے
یہ قدرتِ رب، قدرتِ رب، قدرتِ رب ہے

ہر ایک کب اس کے شرف وجاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے، جو اللہ کو سمجھے

یوسف ہے یہ کنعاں میں، سلیماں ہے سبا میں
عیسیٰ ہے مسیحائی میں، موسیٰ ہے دعا میں
ایوب ہے یہ صبر میں، یحییٰ ہے بکا میں
شبّیر ہے مظلومی میں، حیدر ہے وغا میں

کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدم
عباس سا دنیا میں پسر رکھتے ہیں آدم

قربان ہو اے علمِ شاہِ اُمم کے
سب خار، ہرے ہوکے، بنے سروِ اِرم کے
ہیں راز عیاں خالقِ ذوالفضل وکرم کے
جبریل نے پر کھولے ہیں دامن میں علم کے

پرچم کا جہاں عکس گرا، صاعقہ چمکا
پرچم کہیں دیکھا نہ سنا اس چم وخم کا

قرنا میں نہ دم ہے، نہ جلاجل میں صدا ہے
بوق ودہل وکوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے
باجا جو سلامی کا اسے کہیے، بجا ہے

سکتے میں جو آواز ہے نقارہ ودف کی
نوبت ہے ورودِ خلفِ شاہِ نجف کی

مدّاح کو اب تازگیِ نظم میں کد ہے — یا حضرتِ عباس علی !وقتِ مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہو، وہ سند ہے — اس نظم کا جو ہو نہ مقر، اس کو حسد ہے

حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینی سے سروکار ہے مجھ کو

گلزار ہے یہ نظم دبیاں، بیشہ نہیں ہے — باغی کو بھی گلگشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرع برجستہ ہے پھل تیشہ نہیں ہے — یاں مغزِ سخن کا ہے، رگ وریشہ نہیں ہے

صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبضِ سخن کی

گرکاہ ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے — میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ، عقیقِ یمنی سے — یہ ساز ہے، سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے

آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنالوں
پتھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

گو خلعتِ تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا — پروصف سراپا کا تو مشکل ہے، سراپا
ہر عضوِ تن اک قدرتِ کامل ہے سراپا — یہ روح ہے، سرتا بہ قدم دل ہے سراپا

کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے

سورج کو چھپاتا ہے گہن، آئینے کو زنگ — داغی ہے قمر، سوختہ دل لالۂ خوش رنگ
کیا اصل دُر ولعل کی، وہ پانی ہے، یہ سنگ — دیکھو گل وغنچہ، وہ پریشاں ہے، یہ دل تنگ

اس چہرے کو داور ہی نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود، نقش بھی بے عیب بنایا

انساں کہے اس چہرے کو کب چشمۂ حیواں — یہ نور وہ ظلمت، یہ نمودار وہ پنہاں
برسوں سے ہے آزار برص میں مہِ تاباں — کب سے یرقاں مہر کو ہے اور نہیں درماں

آئینہ ہے گھر زنگ کا، یہ رنگ نہیں ہے

اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے

آئینہ کہا رخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی — صنعت وہ سکندر کی، یہ صنعت ہے خدا کی

واں خاک نے صیقل، یہاں قدرت نے جلا کی — طالع نے کس آئینے کو خوبی یہ عطا کی

ہر آئینے میں چہرۂ انساں نظر آیا

اس رخ میں جمالِ شہِ مرداں نظر آیا

بے مثل جبیں ہے نگہِ اہلِ یقیں میں — بس ایک یہ خورشید ہے افلاک وزمیں میں

جلوہ ہے عجب ابروؤں کا قربِ جبیں میں — دو مچھلیاں ہیں چشمۂ خورشید مبیں میں

مردم کو اشارہ ہے یہ ابرو کا، جبیں پر

ہیں دو مہِ نو جلوہ نما چرخِ بریں پر

بینی کے تو مضموں پہ یہ دعویٰ ہے یقینی — اس نظم کے چہرے کی وہ ہو جائے گا بینی

منظور نگہ کو جو ہوئی عرش نشینی ! — کی سایۂ بینی نے فقط جلوہ گزینی

درکار اسی بینی کی محبت کا عصا ہے

یہ راہ تو ایماں سے بھی باریک سوا ہے

بینی کو کہوں شمع تو لَو اس کی کہاں ہے — پُر نور بھوؤں پر مجھے شعلے کا گماں ہے

دو شعلے اور اک شمع، یہ حیرت کا مکاں ہے — ہاں زلفوں کے کوچوں سے ہو تند رواں ہے

سمجھو نہ بھویں، بس کہ ہوا کا جو گزر ہے

یہ شمع کی لَو، گاہ اِدھر گاہ اُدھر ہے

گر آنکھ کو نرگس کہوں، ہے عین حقارت — نرگس میں نہ پلکیں ہیں نہ پتلی، نہ بصارت

چہرے پہ مہِ عید کی بے جا ہے اشارت — وہ عید کا مژدہ ہے، یہ حیدر کی بشارت

ابرو کے مہِ نو میں نہ جنبش ہے، نہ ضو ہے

اک شب وہ مہِ نو ہے، یہ ہر شب مہِ نو ہے

منہ غرقِ عرق دیکھ کے، خورشید ہوا تر — ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جوہر

آنکھوں کا عرق، روغنِ بادام سے بہتر — عارض کا پسینا ہے، گلابِ گلِ احمر

قطرہ رُخِ پُر نور پہ ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطرِ گلِ خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

تسبیح کناں منہ میں زباں آٹھ پہر ہے — گویا دہنِ غنچہ میں برگِ گلِ تر ہے
کب غنچہ وگل برگ میں یہ نور مگر ہے — یہ برج میں خورشید کے، ماہی کا گزر ہے

تعریف میں ہونٹوں کی جو لب تر ہوا میرا
دنیا ہی میں قابو لبِ کوثر ہوا میرا

دانتوں کی لڑی سے یہ لڑی عقلِ خدا داد — وہ بات ٹھکانے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ گوہرِ عباس ہیں پاک ان کی ہے بنیاد — عباس ونجف ایک ہیں، گنیے اگر اعداد

معدن کے شرف ہیں یہ جواہر کے شرف ہیں
دنداں دُرِ عباس ہیں، تو دُرِ نجف ہیں

اثنا عشری اب کریں ہاتھوں کا نظارا — دس انگلیاں ہیں مثلِ علم ان میں صف آرا
ہر پنجے کا ہے پنج تنی کو یہ اشارا — اے مومنو ! عشرے میں علم رکھنا ہمارا

پہلے مرے آقا مرے سالار کو رونا
پھر زیرِ علم ان کے علم دار کو رونا

تا موئے کمر فکر کا رشتا نہیں جاتا — فکر ایک طرف، وہم بھی حاشا نہیں جاتا
پر فکرِ رسا کا مری دعوا نہیں جاتا — مضمون یہ نازک ہے کہ باندھا نہیں جاتا

اب زیبِ کمرِ تیغِ شرر بار جو کی ہے
عباس نے شعلے کو گرہ بال سے دی ہے

مشتاق ہوں اب عالمِ بالا کی مدد کا — درپیش ہے مضمون علم دار کے قد کا
یہ ہے قدِ بالا پسرِ شیرِ صمد کا — یا سایہ مجسم ہوا اللہ احد کا

اس قد پہ دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے
کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر یہ خدا نے

نے چرخ کے سودورے، نہ اک رخش کا کاوا — دیتا ہے صدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ قسم ہے ترکیب عناصر کے علاوا — اللہ کی قدرت ہے، نہ چھل بل، نہ چھلاوا

چلتا ہے غضب چال، قدم شل ہے قضا کا
تو سن نہ کہوں ، رنگ اڑا ہے یہ ہوا کا

گردش میں ہر اک آنکھ ہے فانوسِ خیالی
بندش میں ہیں نعلِ اس کے رباعیِ ہلالی
روشن ہے کہ جو زانے عناں دوش پہ ڈالی
بھرتی سے ہے مضمون رکابوں کا بھی خالی
سرعت ہے اندھیرے اور اجالے میں غضب کی
اندھیاری، اسے چاندنی ہے چودھویں شب کی

ٹھہرے، تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے
دوڑے تو زمیں، چرخِ بریں پر نظر آئے
شہباز ہوا کا نہ کہیں پر نظر آئے
راکب ہی فقط دامنِ زیں پر نظر آئے
اس راکب و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا، وہ مشیت ہے خدا کی

شوخی میں پری، حسن میں ہے حورِ بہشتی
طوفان میں راکب کے لیے نوح کی کشتی
کب ابلقِ دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی
یہ خیر ہے، وہ شر ہے، یہ خوبی ہے وہ زشتی
صحرا میں چمن، فصلِ بہاری ہے چمن میں
رہ وار ہے اصطبل میں، تکوار ہے رن میں

اس رخش کو عباس اڑاتے ہوئے آئے
کوسِ لمنِ الملک بجاتے ہوئے آئے
تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے
اک تیغِ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے
بے چلّے کے، کھینچے ہوئے ابرو کی کماں کو
بے ہاتھ کے تانے ہوئے پلکوں کی سناں کو

لکھا ہے مورخ نے کہ اک گبر دلاور
ہفتم سے فرو کش تھا میانِ صفِ لشکر
روئیں تن و سنگیں دل و بد باطن و بدبر
سر کر کے مہم، نیزوں پہ لایا تھا کئی سر
ہمراہِ شقی فوج تھی، ڈنکا تھا، نشاں کا
جاگیر کے لینے کو سوئے شام رواں تھا

تقدیر جو رن میں شب ہفتم اسے لائی
خلوت میں اسے بات عمر نے یہ سنائی
درپیش ہے سادات سے ہم کو بھی لڑائی
واں پنج تنی چند ہیں، یاں ساری خدائی

اکبر کا ،نہ قاسم کا، نہ شبیر کا ڈر ہے
دو لاکھ کو اللہ کی شمشیر کا ڈر ہے

بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وسواس　　شمشیرِ خدا کون؟ عمر بولا کہ عباس
اس نے کہا، پھر فتح کی کیوں کر ہے تجھے آس　　بولا کہ کئی روز سے اس شیر کو ہے پیاس
ہم بھی ہیں بہادر، نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباس علی سے

تشریف علم دارِ جری رن میں جو لایا　　اس گبر کو چپکے سے عمر نے یہ سنایا
اندیشہ تھا جس شیر کے آنے کا، وہ آیا　　سر اس نے پرے سے سوئے عباس اٹھایا
دیکھا تو کہا کانپ کے یہ فوجِ دغا سے
روبا ہو لڑاتے ہو مجھے شیرِ خدا سے

مانا کہ خدا یہ نہیں، قدرت ہے خدا کی　　مجھ میں ہے نرا زور، یہ قوت ہے خدا کی
کی خوب ضیافت مری، رحمت ہے خدا کی　　سب نے کہا تجھ پر بھی عنایت ہے خدا کی
جا عذر نہ کر، نام ہے مردوں کا اسی سے
تو دبدبہ وزور میں کیا کم ہے کسی سے

بادل کی طرح سے وہ گرجتا ہوا نکلا　　جلدی میں سلحِ جنگ کے بجتا ہوا نکلا
ہر گام رہِ عمر کو تجتا ہوا نکلا　　اور سامنے نقارہ بھی بجتا ہوا نکلا
غالب تھا تہمتن کی طرح اہلِ جہاں پر
دھنستی تھی زمیں، پاؤں وہ رکھتا تھا جہاں پر

تیار کمر کس کے ہوا جنگ پہ خوں خوار　　اور پیکِ اجل آیا کہ ہے قبر بھی تیار
خنجر لیا منہ دیکھنے کو اور کبھی تلوار　　مثلِ ورمِ مرگ، چڑھا گھوڑے پہ اک بار
وہ رخش پہ، یا دیودنی تختِ زری پر
غل رن میں اٹھا، کوہ چڑھا کبکِ دری پر

اس ہیئت وہیبت سے وہ نخوتِ سیر آیا　　آسیب کو بھی سایے سے اس کے حذر آیا
میداں میں قیامت کو بھی محشر نظر آیا　　گرد اپنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا

زندہ ہی پے سیر ہر صف سے بڑھے تھے

سر مُردوں کے نیزوں پہ تماشے کو چڑھے تھے

سیدھا کبھی نیزے کو ہلایا، کبھی آڑا — پڑھ پڑھ کے رجز، باغ، فصاحت کو اجاڑا

ظالم نے کئی پشت کے مُردوں کو اکھاڑا — بولا مری ہیبت نے جگر شیروں کا پھاڑا

ہم پنجہ نہ رستم ہے، نہ سہراب ہے میرا

مرحب بن عبدالقمر، القاب ہے میرا

فتراک میں سر باندھتا ہوں پیلِ دماں کا — پنجہ میں سدا پھیرتا ہوں شیرِ ژیاں کا

نظارہ ذرا کیجئے ہر شاخِ سناں کا — اس نیزے پہ وہ سر ہے فلاں ابنِ فلاں کا

جو جو تھے یلانِ کہن اس دو رو نو میں

تن ان کے تہِ خاک ہیں سر میرے جلو میں

یاں سیفِ زباں، سیفِ الٰہی نے علَم کی — فرمایا، مرے آگے یہ تقریر ستم کی

اب منہ سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی — کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی

طاقت ہے ہماری اسداللہ کی طاقت

پنجے میں ہمارے ہے یداللہ کی طاقت

عبدالقمرِ نحس کا تو داغِ جگر ہے — میں چاند علی کا ہوں، ارے یہ بھی خبر ہے

خورشید پرستی سے تری کیا مجھے ڈر ہے — قبضے میں طنابِ فلک و شمس و قمر ہے

مقدور رہا شمس کی رجعت کا پدر کو

دو ٹکڑے چچا نے کیا انگلی سے قمر کو

خورشیدِ درخشاں میں بتا نور ہے کس کا — کلمہ ورقِ ماہ پہ مسطور ہے کس کا

اور سورۂ و الشمس میں مذکور ہے کس کا — ذرّے کو کرے مہر، یہ مقدور رہے کس کا

یہ صاحبِ مقدور نبیؐ اور علیؑ ہیں

یا ہم کہ غلامِ خلف الصدقِ نبی ہیں

دو چاند کو کرتی ہے، اک انگشت ہماری — ہے مُہرِ نبوت سے ملی پشت ہماری

ہے تیغ، ظفر، وقتِ زد و کشت ہماری — سو گرزِ قضا، ضربت یک مشت ہماری

قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں، ظالم!

ہم شیر ہیں اور صاحب شمشیر ہیں، ظالم!

احمدؐ ہے چچا میرا، پدر حیدرِ صفدر — وہ کل کا پیمبر ہے، یہ کونین کا رہ بر

اور مادرِ زینب کی ہے لونڈی، مری مادر — بھائی مرا اک عون، دو عبداللہ و جعفر

اور شبّر و شبیر ہیں سردار ہمارے

ہم ان کے غلام، اور وہ مختار ہمارے

قاسم کا عزادار ہوں، اکبر کا میں غم خوار — لشکر کا علم دار ہوں، سرور کا جلو دار

میں کرتا ہوں پردہ، تو حرم ہوتے ہیں اسوار — تھا شب کو نگہ بان، خیامِ شہِ ابرار

اب تازہ یہ بخشش ہے خدائے ازلی کی

سقّا بھی بنا اس کا جو پوتی ہے علیؑ کی

اس کے قدمِ پاک کا فدیہ ہے سر اپنا — قربان کیا جس پہ نبی نے پسر اپنا

نذرِ سرِ اکبر ہے دل اپنا، جگر اپنا — بیت الشرف شاہ پہ صدقے ہے گھر اپنا

مشہور جو عباس، زمانے کا شرف ہے

شبّر کی نعلین اٹھانے کا شرف ہے

ناری کو بہشتی کے رجز پر حسد آیا — یوں جل کے پے حملہ وہ ملعونِ بد آیا

گویا کہ سقر سے عمرِ عبدود آیا — اور لرزے میں مرحب بھی میانِ لحد آیا

نفریں کی خدا نے اسے، تحسیں کی عمر نے

مجرا کیا عباس کو یاں فتح و ظفر نے

شبّر کو بڑھ بڑھ کے نقیبوں نے پکارا — لو، ٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمہارا

ہے مرحب عبدالقمر اب معرکہ آرا — شبّر! یقیں جانو کہ عباس کو مارا

یہ گرگ، وہ یوسف، یہ خزاں ہے، وہ چمن ہے

وہ چاند، یہ عقرب ہے، وہ سورج، یہ گہن ہے

اس شور نے تڑپا دیا حضرت کے جگر کو — اکبر سے کہا، جاؤ تو عمو کی خبر کو

اکبر پڑھے اور مڑ کے پکارے یہ پدر کو — گھیرا ہے کئی نحس ستاروں نے قمر کو

اک فوج نئی گردِ علَم دار ہے زن میں
لو ماہِ بنی ہاشمی آتا ہے گہن میں

اک گبر قوی آیا ہے کھینچے ہوئے تلوار — کہتا ہے کہ اک حملے میں ہے فیصلۂ کار
سرکشتوں کے نیزوں پہ ہیں گرداس کے نمودار — یاں دست بہ قبضہ متبسم ہیں علم دار

اللہ کرے خیر کہ ہے قصدِ شر اس کو
سب کہتے ہیں، مرحب بن عبدالقمر اس کو

غل ہے کہ دلِ آلِ عبا توڑے گا مرحب — اب بازوئے شاہِ شہدا توڑے گا مرحب
بندِ کمر شیرِ خدا توڑے گا مرحب — گوہر کو تہِ سنگِ جفا توڑے گا مرحب

مرحب کا، نہ کچھ اس کی توانائی کا ڈر ہے
فدوی کو چچا جان کی تنہائی کا ڈر ہے

شہ نے کہا، کیا روحِ علیؑ آئی نہ ہوگی — نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی
کیا فاطمہ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی — سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی

بندوں پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عباس
پیارے مرے! دیکھو تو کیا کرتے ہیں عباس

اس عرصے میں حملے کئے مرحب نے وہاں چار — پر ایک بھی اس بیخ تنی پر نہ چلا وار
مانند دل وچشم، ہر اک عضو تھا ہشیار — عاری ہوئی تلوار، مخالف ہوا ناچار

جب تیغ کو جھنجھلا کے رخِ پاک پہ کھینچا
تلوار نے انگلی سے الف خاک پہ کھینچا

غازی نے کہا، بس اسی فن پر تھا تجھے ناز — سیکھا نہ یداللہیوں سے ضرب کا انداز
پھر کھینچی اس انداز سے تیغِ شرر انداز — جو میان کے بھی منہ سے ذرا نکلی نہ آواز

یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی
واں قالبِ اعدا کو کیا جان نے خالی

یہ تیغ سراپا جو برہنہ نظر آئی — پھر جامۂ تن میں نہ کوئی روح سمائی
ہستی نے کہا توبہ، قضا بولی دہائی — انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی

لو، فتح مجسم کا وہ سر جیب سے نکلا
نصرت کے فلک کا مہِ نو غیب سے نکلا

بجلی گری بجلی پہ، اجل ڈر کے اجل پر — اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر
سیارے ہٹے، کر کے نظر تیغ کے پھل پر — خورشید تھا مریخ پہ، مریخ زحل پر
یہ ہول دیا تیغِ درخشاں کی چمک نے
جو تاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

مرحب سے مخاطب ہوئے عباسِ دلاور — شمشیر کے مانند سراپا ہوں میں جوہر
ممکن ہے کہ اک ضرب میں دو ہو تو سراسر — پر اس میں عیاں ہوں گے نہ جوہر مرے تجھ پر
لے روک مرے وار، ترے پاس سپر ہے
زخمی نہ کروں گا، ابھی اظہارِ ہنر ہے

کاندھے سے سپر لے کے مقابل ہوا دشمن — بتلانے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ، یہ بازو، یہ کمر اور یہ گردن — یہ خود، یہ چار آئینہ، یہ ڈھال، یہ جوشن
کس وار کو وہ روکتا، تلوار کہاں تھی!
آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی

مرحب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی — اک ہاتھ سے سر ایک سے دستار سنبھالی
ظالم نے سناں غصے سے اک بار سنبھالی — اس شیر نے شمشیرِ شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علم دار کے اوپر
نیزہ یہ اڑا لے گئے تلوار کے اوپر

جو چال چلا وہ ہوا گم راہ و پریشاں — پھر زائچہ کھینچا جو کماں کا سرِ میداں
تیروں کی لڑائی پہ پڑا قرعۂ پیکاں — تیروں کو قلم کرنے لگی تیغ درخشاں
جوہر سے، نہ تیروں ہی کے پھل داغ بدل تھے
گرشت کے تھے ساٹھ، تو چلّے کے چہل تھے

اس تیغ نے سرکش کے جو ترکش میں کیا گھر — غل تھا کہ نیستاں میں گری برق چمک کر
پر تیروں کے کٹ کٹ کے اڑے مثلِ کبوتر — مرحب ہوا مضطر، صفتِ طائرِ بے پر

بڑھ کر کہا غازی نے، بتا کس کی ظفر ہے؟

اب مرگ ہے اور تو ہے، یہ تیغ اور یہ سر ہے

نامرد نے پوشیدہ کیا رخ کو سپر سے — اور کھینچ لیا خنجرِ ہندی کو کمر سے

خنجر تو ادھر سے چلا اور تیغ ادھر سے — اس وقت ہوا چل نہ سکی بیچ میں ڈر سے

اللہ رے شمشیرِ علم دار کے جوہر

جوہر کیے اس خنجرِ خوں خوار کے جوہر

خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پر — ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پر

سیدھی گئی سر پر تو وہ تھی صدر و کمر پر — تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی قلب و جگر پر

تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی دامنِ زیں پر

تھی دامنِ زیں پر تو وہ راکب تھا زمیں پر

ایماں نے اچھل کر کہا، وہ کفر کو مارا — قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا

حیدر سے نبی بولے، یہ ہے فخر تمہارا — حیدر نے کہا، یہ مری پتلی کا ہے تارا

پروانۂ شمعِ رخِ تاباں ہوئیں زہرا

محسن کو لیے گود میں قرباں ہوئیں زہرا

ہنگامہ ہوا گرم، یہ ناری جو ہوا سرد — واں فوج نے لی باگ، بڑھایاں یہ جواں مرد

ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد — رنگِ رخِ اعدا کی طرح اڑنے لگی گرد

قاروں کا زرِ گنجِ نہانی نکل آیا

یہ خاک اڑی رن سے کہ پانی نکل آیا

جو زندہ تھے، العظمۃ للہ پکارے — سر مُردوں کے نیزوں پہ جو تھے واہ پکارے

ڈر کر عمرِ سعد کو گمراہ پکارے — خوش ہو کے علم دار سوئے شاہ پکارے

یاں تو ہوا حضرتِ شبیر کا نعرہ

شبیر نے ہنس کر کہا تکبیر کا نعرہ

پردے کے قریب آ کے بہن شہ کی پکاری — دشمن پہ ہوئی فتح، مبارک ہو، میں وادی

اب کہتی ہوں میں دیکھتی تھی جنگ یہ ساری — عباس کی اک ضرب میں ٹھنڈا ہوا ناری

مرحب کو تو خیبر میں یداللہ نے مارا

ہم نام کو ابنِ اسداللہ نے مارا

تم دونوں کا ہر وقت نگہ بان خدا ہو　　دیکھے جو بری آنکھ سے غارت ہو، فنا ہو

دونوں کی بلالے کے یہ ماں جائی فدا ہو　　رو کر کہا حضرت نے بہن ! دیکھیے کیا ہو

منہ چاند سا مجھ کو جو دکھائیں تو میں جانوں

دریا سے سلامت جو پھر آئیں تو میں جانوں

زینب سے بہ حسرت یہ بیاں کرتے تھے مولا　　ناگاہ سکینہ نے سنا فتح کا مژدا

چلائی میں صدقے ترے، اچھی مری فضا　　جا جلد بلائیں مرے عمو کی تو لے آ

دکھ پیاس کا کہہ کر انہیں مدہوش نہ کرنا

پر یاد دلانا کہ فراموش نہ کرنا

لینے کو بلائیں گئی فضہ سوئے جنگاہ　　عباس نے آتے ہوئے دیکھا اسے ناگاہ

چلائے کہ پھر جا، میں ہوا آنے سے آگاہ　　کہہ دینا سکینہ سے، ہمیں یاد ہے واللہ

دل پیاس سے بی بی کا ہوا جاتا ہے پانی

لے کر ترے بابا کا غلام آتا ہے پانی

دریا کو چلے ابر صفت ساتھ لیے برق　　مرحب کے شریکوں کا جدا کرتے ہوئے فرق

سردار میں اور فوج میں باقی نہ رہا فرق　　مرحب کی طرح سب چہ ہب ہب میں ہوئے غرق

تلوار کی اک موج نے طوفان اٹھایا

طوفان نے سر وہ بیانان اٹھایا

پانی ہوئی ہر موج زدہ فوج کے تن میں　　ملبوس میں زندے تھے کہ مردے تھے کفن میں

خنجر کی زبانوں کو قلم کر کے دہن میں　　اک تیغ سے تلواروں کو عاری کیا رن میں

حیدر کا اسد، قلزمِ لشکر میں در آیا

امڈے ہوئے بادل کی طرح نہر پر آیا

دریا کے نگہ بان بڑھے ہونے کو چو رنگ　　پہنے ہوئے مچھلی کی طرح بر میں زرہ تنگ

کھینچے ہوئے موجوں کی طرح خنجرِ بے زنگ　　سقے نے کہا، پانی پہ جائز ہے کہاں جنگ

درای کے نگہ بان ہو، پر غفلت دیں ہے
مانند حباب آنکھ میں بینائی نہیں ہے

پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار
بھر لینے دو مجھ کو، نہ کرو حجت و تکرار
چلائے ستم گر، ہے گزر نہر پہ دشوار
غازی نے کہا ہاں یہ ارادہ ہے، تو ہشیار!
لو سیل کو اور برقِ شرر بار کو روکو
رہ وار کو روکو، مری تلوار کو روکو

یہ کہہ کیا اسپ سبک تاز کو مہمیز
بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرسِ تیز
اشرار کے سر پر ہوا نعلوں سے شرر ریز
سیلاب فنا تھا کہ وہ طوفانِ بلا خیز
جھپکی پلک، اس رخش کو جب قہر میں دیکھا
پھر آنکھ کھلی جب، تو رواں نہر میں دیکھا

دریا میں ہوا غل کہ وہ دُرِ نجف آیا
الیاسؑ و خضرؑ بولے، ہمارا شرف آیا
عباس شہنشاہِ نجف کا خلف آیا
پابوس کو موتی لیے دستِ صدف آیا
یاد آگئی پیاسوں کی جو حیدر کے خلف کو
دل خون ہوا دیکھ کے دریا کی طرف کو

سوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دہانہ
بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانہ
اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانہ
اور چوم لیا روحِ ید اللہ نے شانہ
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو بیٹا
پانی مری پوتی کے لیے بھرتے ہو بیٹا

دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی
تھا شور کہ وہ شیر لیے جاتا ہے پانی
پھر راہ میں حائل ہوئے سب ظلم کے بانی
سقائے سکینہ کی یہ کی مرتبہ دانی
قبریں نبی و حیدر و زہرا کی ہلادیں
برچھوں کی جو نوکیں تھیں کلیجے سے ملادیں

وہ کون سا تھا تیر جو دل پر نہ لگایا
مشکیزے کے پانی سے سوا خون بہایا
یہ نرغہ تھا جو شمر نے حیلے سے سنایا
عباس بچو! غول کمیں گاہ سے آیا

مڑکر جو نظر کی خلفِ شیرِ خدا نے
شانوں کو تہِ تیغ کیا اہلِ جفا نے

لکھا ہے کہ اک نخلِ رطب تھا سرِ میداں ابنِ ورقہ زیدِ لعیں اس میں تھا پنہاں
پہنچا جو وہاں سروِ روانِ شہِ مرداں جو شانہ تھا مشک وعلم وتیغ کے شایاں
وار اس پہ کیا زید نے شمشیرِ اجل سے
یہ پھولی پھلی شاخ، کٹی تیغ کے پھل سے

مشک وعلم وتیغ کو بائیں پہ سنبھالا اور جلد چلا عاشقِ روئے شہ والا
پر ابنِ طفیل آگے بڑھا تان کے بھالا برچھے کی انی سے تو کیا دل تہ وبالا
اور تیغ کی ضربت سے جگر شاہ کا کاٹا
اور ہاتھ بھی فرزند یداللہ کا کاٹا

سقے نے کئی بانہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر مانند زباں منہ میں لیا تسمہ سراسر
ناگاہ کئی تیر لگے آکے برابر اک مشک پہ، اک آنکھ پہ اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خوں بہا تن سے
عباس گرے گھوڑے سے اور مشک دہن سے

گر کر لبِ زخمی سے علم دار پکارا کہہ دے کوئی پیاسوں سے سقا گیا مارا
سن لی یہ صدا شاہِ شہیداں نے قضارا زینب سے کہا، لو نہ رہا کوئی ہمارا
اصغر کا گلا چھد گیا، اکبر کا جگر بھی
بازو بھی مرے ٹوٹ گئے اور کمر بھی

زینب نے کہا سچ ہے سبھی مرگئے بھائی سب کنبے کو عباس فنا کر گئے بھائی
آفاق سے اب حمزہ و حیدر گئے بھائی ہم مجلسِ حاکم میں کھلے سر گئے بھائی
میں جان چکی، قیدِ مصیبت میں پڑی ہوں
اب گھر میں نہیں بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں

ناگاہ صدا آئی کہ اے فاطمہ کے لال جلد آؤ کہ اب لاشہ مرا ہوتا ہے پامال
زینب نے کہا، زندہ ہیں عباسِ خوش اقبال تم جاؤ، میں یاں بہر شفا کھولتی ہوں بال

شہ بولے ،لب گور سکینہ کا چچا ہے
اس فوج کا مارا ہوا کوئی بھی بچا ہے

اکبر کے سہارے سے چلے نہر پہ آقا گہ ہوش تھا گہ غش ، کبھی سکتہ کبھی نوحا
لکھا ہے کہ ٹکڑے ہوئے یوں تشنے کے اعضا اک ہاتھ تو مقتل میں ملا اک لب دریا
زہرا کا پسر رن میں جو زیرِ شجر آیا
اک ہاتھ تڑپتا ہوا شہ کو نظر آیا

گر کر شہ والا نے یہ اکبر سے کہی بات اے لال اٹھالو، مرے بازو کا ہے یہ ہاتھ
یہ ہاتھ رکھے سینے پہ، وہ وارثِ سادات پہنچا جو سرِ لاشۂ عباسِ خوش اوقات
ہیبات، قلم تیغوں سے شانے نظر آئے
سر ننگے ید اللہ سرہانے نظر آئے

بے ساختہ ماتھے پہ رکھا شاہ نے ماتھا لب رکھ کے لبوں پر کہا، وا حسرت ودردا
یہ تیر، یہ آنکھ اور یہ نیزہ، یہ کلیجا ! واقرۃ عینا مرے، وابہجۃ قلبا
کچھ منہ سے تو بولو، مرے غم خوار برادر
عباسِ ابوالفضل، علم دار برادر

اس جاں شکنی میں جو سنا شیونِ مولا تعظیم کی نیت میں کٹے شانوں کو ٹیکا
پھر پاؤں سمیٹے کہ نہ ہوں پائنتی آقا شہ بولے، نہ تکلیف کرو اے مرے شیدا
کی عرض، میں پھیلائے ہوئے پاؤں پڑا ہوں
حضرت نے یہ فرمایا، سرہانے میں کھڑا ہوں

یاں تھی یہ قیامت، وہاں خیمے میں یہ محشر در پر تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
تشویش تھی کیوں لاش کو لے آئے نہ سرور عباس کا فرزند، سراسیمہ تھا باہر
تن رعشے میں خورشیدِ درخشاں کی طرح تھا
دل ٹکڑے یتیموں کے گریباں کی طرح تھا

یہ غل تھا، جو مولا لیے مشک وعلم آئے خیمے میں کمر پکڑے امامِ اُمم آئے
اور گردِ علم بال بکھیرے حرم آئے زینب سے کہا شہ نے، بہن لٹ کے ہم آئے

بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینب
تم مہتمِ سوگِ علم دار ہو زینب
خاموش دبیر اب کہ نہیں نظم کا یارا مدّاح کا دل خنجرِ غم سے ہے دو پارا
کافی ہے پئے بخشش یہ وسیلہ ہے ہمارا اک ہفتے میں تصنیف کیا مرثیہ سارا
تجھ پر کرمِ خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے سب مدحِ جگر بند علی کا

مرثیہ سوم

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی پنہاں درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیٰ زہرا لقب ہوئی مجنوں صفت قبائے سحر چاک سب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنر مند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہوگیا پیوند کے لیے
فرہاد وضع، تیشہ لے دوراں نے ایک بار اس کوہِ بے ستونِ فلک پر کیا قرار
فوراً لگا کے تیشۂ خورشیدِ زرنگار کی جوئے شیرِ صبح، سیاہی سے آشکار
پر، شیر خوارِ آلِ پیمبر تڑپ گئے
منہ کھولا، دودھ مانگا اور اصغر تڑپ گئے
نکلا افق سے عابدِ روشن ضمیرِ صبح محرابِ آسماں ہوئی جلوہ پذیرِ صبح
کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیرِ صبح پھر سجدہ گاہ بن گیا، مہر منیرِ صبح
کرتی تھی شب، غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو
یوسف غریقِ چاہِ سیہ ناگہاں ہوا یعنی غروبِ ماہِ تجلّی نشاں ہوا
یونس دہانِ ماہیِ شب سے عیاں ہوا یعنی طلوعِ نیرِ مشرق ستاں ہوا

فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا فلک کا وہ جیب دریدہ تھا — یا چہرۂ مسیح کا رنگِ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشکِ چکیدہ تھا — یا فاطمہ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہیے نہ مہر، صبح کے سینے پہ داغ تھا
امید اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا

روزِ سفید، یوسفِ آفاقِ شب نقاب — مغرب کی چاہ میں تھا جو افتادہ زیرِ آب
سقائے آسماں نے لیا دَلوِ آفتاب — اور ریسماں شعاع کی باندھی بہ آب و تاب
یوسف کو دَلوِ مہر میں بٹھلا کے چاہ سے
کھینچا دیارِ شرق میں مغرب کی راہ سے

سایہ جہاں جہاں تھا، وہاں نور ہوگیا — پھر مشکِ شب جہان سے کافور ہوگیا
گویا کہ زنگ آئینے سے دور ہوگیا — باطل رسالۂ شب دیجور ہوگیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے میں
مضموں تھا آفتاب کا، ذروں کے نامے میں

کھولے ہوا میں طائرِ زریں نے بال و پر — بیٹھا وہ آکے چرخِ چہارم کے بام پر
دانے ستاروں کے جو پڑے تھے اِدھر اُدھر — منقارِ زر میں چن لیے اس نے وہ سر بہ سر
پھر میہمانِ چشمۂ مہتاب ہوگیا
چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہوگیا

پر، تھا ہمائے اوجِ سعادت، شکستہ بال — جز اشک، آب و دانے کا تھا دیکھنا محال
تھا پیاس سے سکینہ و اصغر کا ایک حال — منہ زرد، ہونٹ نیلے، زباں سوکھی، آنکھیں لال
وہ دودھ دودھ کہتا تھا رو کر اشارے سے
یہ پانی پانی کہتی تھی زہرا کے پیارے سے

تھے خرمنِ فلک پہ ابھی دانۂ نجوم — بونے لگا جو تخمِ ستم ابن سعد شوم
غلّے کے بانٹنے کو ندا دی علی العموم — مانندِ مور، دانہ زدوں نے کیا ہجوم

جس کا کہ باپ قاسمِ رزق زمانہ تھا
ہفتم سے کربلا میں وہ بے آب و دانہ تھا

رومال ظالموں نے زمیں پر بچھادیئے　　حصے عمر نے سب کے برابر لگادیئے
اور افسرانِ فوج کو حصے سوا دیئے　　اور سر بہ مہر مہرۂ زر بھی دکھادیئے

لب کھولے حیلہ ور کی عداوت کے جوش نے
گندم نمائی آہ کی یوں جو فروش نے

سجادے پر مکیں تھے امامِ فلک مکاں　　تقسیمِ غلّہ کا جو سُنا حالِ ناگہاں
ارزاں دیا رفیقوں کو وہ غلۂ گراں　　جس غلۂ گراں کے تھے نودانے آسماں

گندم کے بدلے جنتِ آدم میں گھر دیا
گھر کیسا، کائنات کا مختار کردیا

واں غلّہ دے کے، سب سے مخاطب ہوا عمر　　کھالو کہ اب غذا نہ ملے گی کئی پہر
اس جنگ میں ہر اس و تردد ہے سر بہ سر　　ایماں کا نقص، جان کا خوف، آبرو کا ڈر

امّت سے سامنا ہے امامِ جلیل کا
کاٹا ہے جس کے باپ نے پَر جبرئیل کا

بڑھ کر عمر سے کہنے لگے بانیِ ستم　　اپنی تو یہ غذا ہے کہ بھوکے رہیں حرم
نوفل پکارا، سیر ہیں آب و غذا سے ہم　　کھائی ہے آج قتلِ علَم دار کی قسم

چلّایا شمر، ہم تو اسی وقت کھائیں گے
جب تین دن کے پیاسے کا سر کاٹ لائیں گے

بولا عمر کہ بیٹھو، یہ باتیں روا نہیں　　دعوائے بے سند سے تمہیں کچھ حیا نہیں
منہ کا نوالا، شیروں کا سر کاٹنا نہیں　　رستم بھی بھوکا پیاسا مہینوں لڑا نہیں

اترے نہ ہوتے تم جو لبِ نہر چین سے
اس وقت دیکھتا میں کہ لڑتے حسین سے

یہ جو کہا عمر نے ، وہ چپکے چلے گئے　　بے عقل، نقدِ دیں، عوضِ جنس دے گئے
سیّد کے قصدِ ذبح پہ سب غلّہ لے گئے　　اور یاں عمر کے اسپ عراقی کسے گئے

چیدہ کیے عمر نے سلح کارزار کے
خادم لے آئے چرخ سے تیغیں اتار کے

سجنے لگا سلاحِ دغا پھر وہ پُر دغا — بے خود ہوا، جو خود سرِ نخس پر دھرا
بے ماہ وآفتاب کے گویا گہن لگا — یا دارِ قد پہ کفر کا بختِ سیہ چڑھا

اسلام میں جو ڈالے تھے رخنے یزید نے
ان رخنوں کو کیا زرہِ تن، پلید نے

پھر زہر کے بجھے ہوئے خنجر طلب کیے — اپنے ملازموں پہ وہ تقسیم سب کیے
سامانِ میہمانیِ شاہِ عرب کیے — ٹکڑے نبی، علی کے جگر، بے سبب کیے

مانگا شقی نے تو سنِ زرّیں لجام کو
کھا پی کے فوج بھی ہوئی حاضر سلام کو

کثرت پہ فوج کی ہوا نازاں وہ خود پرست — بولا کہ اپنی فتح ہے شبیر کی شکست
پہلے کیا فرات کا ظالم نے بندوبست — بٹھلائے دس ہزار زرہ پوش تیز دست

دیوارِ آہنی لبِ دریا بلند کی
دریا نے، بانگ ہائے حُسینا بلند کی

گھاٹوں کو روک کر یہ پکارا کہ ہاں سنو — بے آب رو کروں گا، نہ مانے گا حکم جو
پائیں نہ ایک قطرہ شہنشاہِ نیک خو — میت کے غسل کو، نہ وضو کو، نہ پینے کو

جاں بر نہ تشنگی سے امامِ حجاز ہو
خشکی میں غرق فوجِ حرم کا جہاز ہو

اور سترہ ہزار سوارانِ نیزہ دار — قومِ اسد کے گھیرنے کو بھیجے ایک بار
یعنی بنی اسد، اسداللہ پہ ہیں نثار — ایسا نہ ہو کہ آئیں سوئے شاہِ بے دیار

ان سے جدا حسین رہیں، وہ حسین سے
ہم سیدوں کو ذبح کریں رن میں چین سے

چیدہ کیے ہزار جوانانِ نا خلف — اس عہدے پر کیا انہیں منسوب ہر طرف
ساغر بہ کف رہیں وہ تنک ظرف صف بہ صف — جب العطش کہے دُر پاکِ شہِ نجف

پانی انہیں دکھا کے، یہ بے آبرو بہائیں
اس پر بھی مانگیں، تو ان کا لہو بہائیں

چالیس سو پھر اس کماں دارِ رو سیاہ　　بٹھلائے چارگوشوں میں گردِ خیامِ شاہ
رکھا نہ سیدوں کے لیے گوشۂ پناہ　　روحِ بتول کہتی تھی رو رو کے، آہ آہ!
جلاّد لاکھ تیغوں سے اک سرا تاریں گے
ناچار کرکے یہ مرے بچّے کو ماریں گے

القصّہ بندوبست یہ جب کرچکا عمر　　انعام دے کہ پیکوں سے بولا وہ بدگوہر
ہاں اب گھڑی گھڑی کی مجھے لاکے دو خبر　　نکلیں اُدھر حسین تو ہو صف کشی اِدھر
سنتا ہوں آن بان پہ سادات مرتے ہیں
دیکھوں تو مورچے کہاں شبّیر کرتے ہیں

جب صبحِ بے ردائی زینب عیاں ہوئی　　اور آخری سپاہِ خدا میں اذاں ہوئی
ناموسِ مصطفیٰ میں بپا یہ فغاں ہوئی　　بس اب بہارِ گلشنِ زہرا خزاں ہوئی
کانپے گا عرش فاطمہ کے شور و شین سے
جس دم وداع ہوئیں گی زینب حسین سے

شب خوں ابھی نہ روز نے مارا تھا رات پر　　جو اہلِ شام بیٹھ گئے یاں فرات پر
بلوہ کیا عدو نے شہِ نیک ذات پر　　ظلمت محیط ہوگئی آبِ حیات پر
شب کیا گئی نصیب کا کچھ پھیر ہوگیا
ہوتے ہی صبح، خیمے میں اندھیر ہوگیا

کھینچوں مرقّع سحر شاہِ خاص و عام　　جس کے حضور، صبح عمر کی ہے عینِ شام
واں تو یہ دھوم دھام تھی اور یاں خدا کا نام　　تسبیحِ فاطمہ ہی ابھی پڑھتے تھے امام
یاں ذکرِ حق کا، اور وہاں کلمہ غرور کا
واں جادہ نار کا، یہاں سجادہ نور کا

کیا رو سفید فوجِ خدا ہے حضورِ صبح　　آئی ہے ان کے عقدِ عبادت میں حورِ صبح
رخ سے طلوعِ مہر جبیں سے ظہورِ صبح　　ایک سمت ان کا نور ہے ایک سمت نورِ صبح

سر سجدے میں، بدن ہے قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار ہے فوجِ امام میں

آوازِ ارکبو جو ملائک سناتے ہیں — غازی، نماز پڑھ کے مصلّے اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں — سجدے کو آستانۂ مولا کو آتے ہیں

در پر دھرے جبینوں کو سب خوش خصال ہیں
اک آسماں ہے اور بہتر ہلال ہیں

بخت جوانِ پیرِ فلک ، ہر جوان ہے — حلم ان کا ہے مزاج، صداقت زبان ہے
ہمت انہی کے ہاتھ کا ایک استخوان ہے — نورِ خدا بدن ہے، حسین ان کی جان ہے

فردوس ان کا خلق ہے، نار ان کا خشم ہے
ایمان ان کا دل ہے، حیا ان کی چشم ہے

لشکر میں ہے یہ اکبرو عباس کا وقار — وہ انجمن میں شمع، تو یہ باغ میں بہار
آنکھوں میں وہ نگاہ، تو یہ سینوں میں قرار — وہ بازوؤں میں زور، یہ قبضے میں ذوالفقار

ان دونوں کی یہ فوجِ خدا میں مثال ہے
دریا میں وہ گوہر ہے، یہ معدن میں لال ہے

وہ چشم ہے پلک میں تو یہ دل ہے سینے میں — حیدر وہ کعبے میں، یہ پیمبر مدینے میں
یوسف وہ خطبہ میں یہ سکندر نگینے میں — آبِ بقا وہ چشمے میں، یہ زرخزینے میں

وہ آب موتیوں میں یہ اک گل ہزاروں میں
خوشبو وہ پھولوں میں یہ تجلی ستاروں میں

عباس سے یہ کہتے ہیں اکبر کہ کیوں چچا — کیا ہوگا، گرد خیمے کے ہے لشکرِ جفا
لنّاں کے پردے کا مجھے اندیشہ ہے بڑا — باندھیں گے اپنا مورچہ ہم واں دمِ وغا

خیمے سے فاصلہ، نہ پدر سے جدائی ہو
یہ طور ہو اگر تو بہ خوبی لڑائی ہو

لنّاں نے کہہ دیا ہے کہ بخشوں گی میں نہ شیر — جیتے ترے، امام کو نیزہ لگا کہ تیر
حافظ رہوں گا باپ کا میں وقتِ دار و گیر — لیکن غضب ہے، والدہ گر ہوگئیں اسیر

حیراب تو دامنِ شہِ خوش خو نہ چھوڑیں گے

جو ہو سو ہو، حسین کا پہلو نہ چھوڑیں گے

عباس مدح کرتے ہیں گردن ہلا ہلا — زینب کے پالنے کی یہ غیرت ہے، میں فدا

وہ پوچھتے ہیں، آپ کہیں، ہے ارادہ کیا — یہ ہاتھ منہ پہ پھیر کے کہتے ہیں دیکھنا

جینے سے ہاتھ دھوتے ہیں مرد اپنی بات پر

اپنا تو آج مورچہ ہوگا فرات پر

باگیں پکڑ کے کہتے ہیں زینب کے یادگار — ایک حملے میں سمند ہیں اپنے بھی پلّے پار

ابن حسن کے حسنِ بیاں سے ہے آشکار — ارزق کا زرق برق مٹادوں تو ہو قرار

دعوے ہیں آج حیدریوں کو بڑے بڑے

چاہیں تو غرب و شرق کو لے لیں کھڑے کھڑے

کیوں کر نہ شیر ہوں خلفِ شیرِ کبریا — سیدانیوں کا دودھ ہے ان پیاسوں نے پیا

دو دن سے ایک لقمہ تناول نہیں کیا — لیکن وہی ہے چہروں کی سرخی، وہی ضیا

سادات ہر ایک حال میں خوش حال رہتے ہیں

لعائیں نہ کھائیں، شیروں کے منہ لال رہتے ہیں

مصحف نسب یہ رخ ہیں، تو گیسو ہیں مشک بار — شیرازے کی طرح سے ہیں قرآں کے رشتہ دار

جلدِ کتابِ رخ کی نزاکت پہ میں نثار — خط ہے کہ جلد سے خطِ مصحف ہے آشکار

درجِ دہن کے، دانتوں سے رتبے زیاد ہیں

یہ وہ صدف ہے، جس کے گوہر خانہ زاد ہیں

اور زُلف حلقہ حلقہ ہے آرام کی جگہ — ظلمت میں جیسے خضرِ خوش انجام کی جگہ

اس لام کا ہے دائرہ اسلام کی جگہ — یعنی علی کے دل میں ہے اس لام کی جگہ

یہ زلف و رخ، وہ دفترِ قدرتِ نگار ہیں ایک

فرد اسی رسالہ کے لیل و نہار ہیں

سینے، نگینِ خاتمِ ایجادِ کبریا — کندہ ہے ان پہ نقشِ غلامیِ مرتضا

زیرِ نگیں ہے دل کی طرح کشورِ وفا — میں ان کے حوصلے پہ فدا زور پر فدا

دشمن پہ ہاتھ چلتے ہیں، صمصام کی جگہ
سینہ سپر ہیں مثلِ نگیں نام کی جگہ

کیا پیرہن کی زیب ہے، کیا اسلحہ کی سج   چار آئینہ ہیں صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
سیدھی نہیں کسی سے بہ جز فتح، تیغ کج   قامت ہے خم، پہ چلنے میں مطلق نہیں حرج
جوہر، ہنر پہ تیغ کے، قرآں اٹھاتے ہیں
قبضے پہ مدّعی قسمِ راست کھاتے ہیں

ان کے عقابِ تیر کا ہے مرغِ جاں شکار   طائر کوئی اڑے نہ مع شاخِ زینہار
ہر ہدہدِ خدنگ ہیں ان کے وہ زور دار   اڑتے ہیں پھل بھی، شاخ بھی، ساتھ ان کے باربار
تا پیش و پس نہ آئے عدو قصدِ کشت پر
اک چشمِ تیر آگے ہے اک چشم پشت پر

باندھے کمر جہاد پہ خود لیس ہے کماں   غصے سے اک پوست ہے بالائے آسماں
اس قوس کی ہے، قوسِ فلک دل سے مدح خواں   نیزے سے، نیزہ بازِ فلک طالب اماں
اس نیزے سے مباحثے کی کس کو تاب ہے
گویا زباں کی طرح یہ حاضر جواب ہے

دریا دلوں کے گھوڑے ہیں یا کشتیِ رواں   کشتی کا نقشِ پا نہیں پانی کے درمیاں
ان تازیوں کے سم کا زمیں پر نہیں نشاں   انجیل میں ہے ان کی فضیلت کا یہ بیاں
قطرہ عرق کا خشک نہ ہو راہ واروں کا
جو داخلہ بہشت میں ہوگا سواروں کا

طاؤس ان کا جلوہ ہے، کبک ان کا ہے خرام   شیر ان کا پنجہ، اور ہرن چشم مشکِ فام
حوران کی پتلیاں ہیں، پری ہے پلک کا نام   بجلی بدن ہے ان کا، شرر ہیں رگیں تمام
سیماب ہے پسینا، نسیم ان کی جان ہے
رعد ان کا ایک نعرہ ہے، شعلہ زبان ہے

ناگاہ خیمہ گاہ سے شورِ بکا اٹھا   سجّادے سے نمازیِ خیرالنسا اٹھا
اور سبزہ پردۂ درِ آلِ عبا اٹھا   آواز آئی بانو کی، وارث میرا اٹھا

راضی سکینہ جانِ یتیمی پہ ہوگئیں
پچھلے سے جاگتی رہیں، اس وقت سوگئیں

خدام تازیِ شہِ والا کو در پہ لائے　　مولائے خلّہ پوش، کفن پہنے باہر آئے
اور چشم سے رکاب نے دونوں قدم لگائے　　زینب پکاری، ہائے حسینِ غریب، ہائے
میکال روئے، روحِ امیں نالہ کش ہوئے
سامانِ موت پر ملک الموت غش ہوئے

جنگاہ میں صفیں جو بندھیں فوجِ شام کی　　ہر تیغ زن کو فکر ہوئی ننگ ونام کی
خیمے کے در پہ آئی سواری امام کی　　مسند الٹ دی موت نے خیرالانام کی
تاریک چشم اہلِ حرم میں جہاں ہوا
زہرا کا چاند، لے کے ستارے رواں ہوا

مثلِ نسیمِ صبح، سواری رواں ہوئی　　پھولوں کو لے کے فصلِ بہاری رواں ہوئی
یا فوج فوجِ قدرتِ باری رواں ہوئی　　زینب پکاری، جان ہماری رواں ہوئی
باغوں میں گل زمین کے پردے سے آتے ہیں
لٹاں کے پھول، خاک میں ملنے کو جاتے ہیں

قبروں کے واسطے جو خریدی تھی کچھ زمیں　　ٹھہری وہاں سواریِ شاہِ فلک نشیں
لشکر کو اپنے دیکھ کے بولے امامِ دیں　　لے کربلا، خدا نے دیئے تجھ کو یہ مکیں
سب شیرِ حق کے لال ہیں، زہرا کے پیارے ہیں
دُرِ نجف ہیں، عرشِ معلّا کے تارے ہیں

کہتے تھے کربلا سے یہ سلطانِ کربلا　　جو مثلِ سیل، خیلِ جفا قہر سے بڑھا
صف باندھنے لگا عمرِ سعد بے حیا　　مختار اس نے میمنہ کا شیث کو کیا
چن چن کے نیزہ دار بھی، چالیس سو دیئے
رہ وار گرم رَو دیئے، ملبوسِ نو دیئے

ارزق کو تیر زن دیئے پنجاہ صد جدا　　کی اس نے زیب میسرہ لشکرِ جفا
اور دے کے دس ہزار جوانانِ پُر دغا　　سونپا جناح، حنظلہ کو اس نے بر ملا

مل کر گلے بی بی وعلی رن میں روتے تھے
اک سر کے کاٹنے کے یہ سامان ہوتے تھے

فرزند اس کا حفص تھا جو ننگِ اشقیا　　رہ دار نقرہ، خلعتِ زرّیں اسے دیا
اور اس کے سر کی تاج مرصع سے کی ضیا　　لشکر کے قلب میں، وَلَد القلب کو کیا
بخشی حکومت اس کو سوار و پیادہ کی
اور بیرقِ معاویہ سر پر کشادہ کی

وہ کافروں کی صف تھی کہ دیوارِ حرب گاہ　　یا دیکھ کر حسین کے لشکر کا عز و جاہ
بہرِ گریز، رن سے اٹھی تھی سمت کے راہ　　دیوار تھی، نہ راہ تھی نہ وہ صفِ سپاہ
طغرا نویسِ دہر نے قدرت دکھائی تھی
سطرِ غلط زمیں کے ورق سے اٹھائی تھی

صف باندھ کر پسر سے مخاطب ہوا عمر　　اکبر امام زادے ہیں اور تو مرا پسر
اپنا حشم دکھا انہیں پھر کر ادھر ادھر　　سرداروں کو پکارا کہ اے صاحبِ ہنر
فوجِ خدا کے سامنے جاؤ، رجز پڑھو
گھوڑے اٹھاؤ، نیزے ہلاؤ، رجز پڑھو

پہلے پرے سے شیث نے گھوڑا بڑھا دیا　　اک تیر چل کے، نیزے کا جوہر دکھا دیا
قاسم کو دیکھا شاہ نے اور سر جھکا دیا　　نوفل نے بھی سمند سوئے شہ بڑھا دیا
بولے حسین، بندِ کمر ٹوٹا جاتا ہے
دیکھو جوانو! قاتلِ عباس آتا ہے

چلّا دکھایا حرملہ نے بڑھ کے تیر کا　　شہ روئے، یاد کر کے تڑپنا صغیر کا
چمکا جو بھالا ہلنے میں ابنِ نمیر کا　　شق ہوگیا کلیجہ رسولِ قدیر کا
بے چین دل کے درد سے ہونے لگے حسین
اکبر کا سینہ چوم کے رونے لگے حسین

نکلا تڑپ کے شمرِ لعیں فوجِ شام سے　　بولا ملا کے آنکھیں سپاہِ امام سے
جس درجہ بغض ہے کسی پیاسے کے نام سے　　نکلا ہی پڑتا ہے مرا خنجر نیام سے

ان دوفنوں میں شمر ہے یکتا زمانے میں
سینے پہ پاؤں رکھنے میں، خنجر پھرانے میں

مولا نے مسکرا کے فلک پر نگاہ کی　　اور داہنی طرف سے صدا آئی آہ کی
سب نے کہا، فغاں ہے کسی دادخواہ کی　　رو کر حسین بولے، جو مرضی الٰہ کی
خنجر سے اس کے، خیرِ نساء ذبح ہوتی ہے
قاتل کو میرے دیکھ کے، ماں میری روتی ہے

ناگہ رواں ہوا پسرِ سعد کا پسر　　ہم سن، رفیق، یار، جلو میں ادھر اُدھر
ہاتھوں پہ خادم آگے لیے تیغ اور سپر　　اور اک غلام کھولے ہوئے سر پہ چترِ زر
یوں رد ہوا وہ اکبرِ ذی شاں کے سامنے
فرعون جیسے موسیِ عمراں کے سامنے

مل کر حسینیوں نے کہا، اے شہِ امم　　اب کب تلک سکوت کہ رکتا ہے اپنا دم
قرنا بجایا چاہتے ہیں بانیِ ستم　　یاں صف کشی، نہ مورچے، نہ طبل نہ علم
اب ضبط، اے وزیرِ ید اللہ، قہر ہے
شیروں کے منہ پہ چڑھتے ہیں روباہ، قہر ہے

شہ بولے، کیا ارادہ کریں صف کشی کا ہم　　واں سیکڑوں بشر، نئے پنجے، نئے علم
یاں دوست کیا، عزیز بھی کم، زندگی بھی کم　　مظلوم کھائیں گے مری مظلومی کی قسم
ہر سال تازہ ہوگا محرم میں غم مرا
رہنے دو اب اٹھائیں گے شیعہ علَم مرا

ناگہ ندا آئی کہاے شاہِ کربلا!　　گر اُس طرف بشر ہیں، تو تیری طرف خدا
ہاں جلد اب منگا علَمِ فوجِ کبریا　　باندھے پرا کھڑے ہیں زیارت کو انبیا
کس بیرق ونشاں نے بزرگی یہ پائی ہے
تیرے علم کے سائے میں میری خدائی ہے

عباس نام ور کو پکارے شہِ اُمم　　ہاں اے نشانِ شیرِ خدا، لاؤ تو علم
خاطر نشاں رکھو کہ تمہیں کو دہ دیں گے ہم　　عباس خیمے میں، گئے خوش خوش بہ صد حشم

کیا دیکھتے ہیں کہ وہ فراقِ حسین سے
خیمے میں رو رہا ہے علم شور و شین سے

غازی نے چوب اٹھائی جو لے کر علی کا نام — آئی صدا علم سے کہ عباس ! السلام
اس منصبِ جلیل کا تجھ پر ہے اختتام — خوں سے ترے بھرے گا پھر ہرا مرا تمام
نہ فوج، نہ جلوس، نہ دربار ہوئے گا
اس گھر میں اب نہ کوئی علَم دار ہوئے گا

القصہ، لے کے رایتِ شاہِ اُمم چلے — جنت کو سیدھے، چوب علَم کر کے خم، چلے
اور ہاتھ میں پھریرا اٹھائے حرم چلے — گودی میں بچے لے کے بہ زیرِ علَم چلے
زینب پکاری، شاہِ نجف یاد آتے ہیں
جس شان سے علَم لیے عباس آتے ہیں

یا رب نشان والے کا نام و نشاں رہے — یہ شمس، بے زوال یہ گل، بے خزاں رہے
لشکر رہے، حسین رہے، یہ نشاں رہے — اس حاملِ علم پہ علی کی اماں رہے
روشن رہے قمر شہِ بدر و حنین کا
وہ خاک میں ملے جو ہو دشمن حسین کا

بڑھ کر سکینہ بولی، ذرا منہ ادھر پھراؤ — پیاسوں کو اس علم کی خوشی میں نہ بھول جاؤ
بابا تو کچھ خفا ہیں، تمہی مجھ پر رحم کھاؤ — اچھے مرے چچا ! ابھی دریا سے پانی لاؤ
ایسا نہ ہو کہ جا کے فراموش کیجئے
اپنے علَم میں مشک مری باندھ لیجئے

چمکا نکل کے خیمے سے جو پنجۂ علَم — دن کو دکھائے پانچ ہلال ایک جا بہم
اک اک کی انگلیاں سوئے پنجہ ہوئیں علَم — غل تھا، وہ نکلا رایتِ پیغمبرِ اُمم
افسوس، مصطفیٰ کے علم دار مر گئے
شیرِ خدا و حمزہ و جعفر کدھر گئے

عباس، شہ کے پاس جو پہنچے علم لیے — اقبال آیا پشت پہ جاہ و حشم لیے
شانوں کے بوسے شہ نے بہ لطف و کرم لیے — بخشا علم تو اس نے یہ کہہ کر قدم لیے

آقا نے مجھ کو سب میں نمودار کر دیا
بے بال و پر کو، جعفرِ طیّار کر دیا

پھر شہ نے کی درست صفِ لشکرِ خدا — روئے زمیں ہوا صفِ لشکر سے خوش نما
بینی سے حُسن چہرے کا ہو جس طرح سوا — روئے زمیں فقط نظر آتا تھا دائما
آراستہ جو رن میں صفِ فوجِ دیں ہوئی
سیدھی نمودِ بینیِ روئے زمیں ہوئی

اپنے حبیب خاص کو تو میمنہ دیا — اور میسرہ زُہیر کو شہ نے عطا کیا
بخشی جناحِ قلب کو اطفال سے ضیا — اکبر سے پوچھا، کیوں جگرِ شیر کبریا
اس لشکرِ قلیل کے مختار ہوتے ہو؟
اک دوپہر کے واسطے سالار ہوتے ہو؟

وہ بولے، دوپہر کا کسے انتظار ہے — گر آپ حکم دیں، ابھی بندہ نثار ہے
شہ نے کہا، یقیں مجھے اے گل عذار ہے — تیرا جوانا مرگ، لقب آشکار ہے
سالار اُسے کیا جو شہِ عرش، اوج نے
دکھلائی نذر ہاتھوں پہ سر رکھ کے فوج نے

ناگہ عمر کے قصد پہ قرنا نے کی فغاں — بے داد کی گواہی کو ہر سو اٹھے نشاں
چلّائے ہاتھ مل کے جلاجل کہ الاماں — نقارے، سینے پیٹتے آگے ہوئے رواں
دی بوق نے ندا کہ دمِ شور و شین ہے
زہرا سے کہہ دو نوبتِ قتلِ حسین ہے

یوں گرمِ جست خیز سپاہِ لعیں ہوئی — جو راہ، نقشِ نعل سے چیں بر جبیں ہوئی
یہ گرد اڑی کہ پوششِ چرخِ بریں ہوئی — گویا کہ اپنے جامے سے باہر زمیں ہوئی
خاک اس غبار نے کیا موتی کی آب کو
دم میں بنایا شیشۂ ساعت حباب کو

خیمے میں دخترانِ علی ہول کھاتی تھیں — پردہ اٹھا کے وارثوں کو دیکھ جاتی تھیں
بہر دعا مصلّے برابر بچھاتی تھیں! — گہ عالمِ ہراس میں زیور بڑھاتی تھیں

باجوں کے غل سے بچوں کو دہشت جو ہوتی تھی

اصغر کے دل پہ ہاتھ دھرے، بانو روتی تھی

زینب زمیں پہ لوٹ کے کرتی تھی یہ کلام ہے ہے، بچے گا کا ہے کو بھائی مرا امام

فوجوں کا یاں سے تا درِ کوفہ ہے ازدحام قاصد بلاؤ ، نامے لکھو، اور یہ دو پیام

گھیرا ہے سب نے فاطمہ کے نورِ عین کو

آؤ مدینے والو ! بچاؤ حسین کو

یہ کہہ کے، غش وہ بے کس و ناچار ہوگئی آغاز قتل گاہ میں پیکار ہوگئی

سردے کے فوجِ شاہ سبک سار ہوگئی ہمت فدائے سیدِ ابرار ہوگئی

لشکر جو گرد تھا وہ نثارِ خدا کیا

جھولے سے شیر خوار کو لاکر فدا کیا

نازاں تھا صبر، صبر شہِ حق شناس پر قرباں تھا ہوش، ابنِ علی کے حواس پر

دریا کا زہرہ آب تھا سید کی پیاس پر مایوسی آس پاس تھی، مرنے کی آس پر

ماں رن میں، اور خیمے میں ماں جائی روتی تھی

تنہائی پر حسین کی، تنہائی روتی تھی

اس وقت آئے شمر و عمر رو بروئے شاہ بولے، سپاہ کیا ہوئی، اے شاہِ کم سپاہ

کیوں ہم ہوئے تباہ کہ اب تم ہوئے تباہ اس لشکرِ قلیل پہ تھا فخر تم کو، واہ

ہرگز نہ بندگانِ خلیفہ سے ڈرتے تھے

اس فوج کے بھروسے پہ بیعت نہ کرتے تھے

شہ نے کہا، نہ تم میں ہے انصاف، نہ حیا یہ فوج کیسی فوج کہ دیں دار، باوفا

اس فوج کے بھروسے پہ بیعت نہ کی تھی کیا؟ تکیہ کیا حسین نے کس پر بہ جز خدا

ہوگا نہ فرق اک سرِ مو اپنی بات میں

سردوں گا، ہاتھ دوں گا نہ فاسق کے ہات میں

ظالم پکارا، سر نہ کٹاؤ تو کیا کرو ' اب اختیار کیا ہے کہ قصدِ دغا کرو

بیعت کرو، حسن کی طرح، تو بجا کرو تیغِ بنی امیہ غضب ہے، ڈرا کرو

ہاشم کے خاندان میں تو سب ولی ہوئے
لشکر شکن ہوئے تو فقط اک علی ہوئے

شہ بولے، تم سمجھتے ہو، ناچار ہے حسین — مختارِ سبطِ احمدِ مختار ہے حسین
کرّار ابنِ حیدرِ کرّار ہے حسین — قہر و جلالِ خالقِ غفار ہے حسین

اچھا بھلا کھڑے تو رہو، لو ہم آتے ہیں
اک فاقہ کش کے دودھ کی طاقت دکھاتے ہیں

شہ اک قدم بڑھے تھے کہ دونوں ہٹ گئے — الٹی جو آستیں، تو دوعالم الٹ گئے
رکھا جو ہاتھ قبضے پہ، دل سب کے پھٹ گئے — ہر سمت پیک دوڑے کہ طالع پلٹ گئے

بے پیرو! بھاگو، تم کو قسم اپنے پیر کی
کھینچی ہے ذوالفقار جناب، امیر کی

باہر نیام سے سرِ تیغِ رواں ہوا — یا آستین سے یدِ بیضا عیاں ہوا
ازدر نکل کے غار سے شعلہ فشاں ہوا — بے پردہ قہرِ خسرو کون ومکاں ہوا

جوہر نہ تھے وہ تیغ شہِ خوش خصال میں
دن کو چمک رہے تھے ستارے ہلال میں

کھنچ کر پکاری تیغ کہ اے شاہِ باشرف — اٹھارہ سال والے کا قاتل ہے کس طرف؟
بچے کو کس نے تیرِ جفا کا کیا ہدف — چلّائی در سے خیمے کے بنتِ شہِ نجف

آلِ نبی کا کوئی کشندہ نہ چھوڑیو
ہاں ذوالفقار! شمر کو زندہ نہ چھوڑیو

یہ سُن کے دوزبانیں نکالے ہوئے چلی — سانچے میں اپنے فتح کو ڈھالے ہوئے چلی
جوہر کا دام دوش پہ ڈالے ہوئے چلی — قبضے میں قہرِ حق کو سنبھالے ہوئے چلی

سائے کو مڑ کے حکم دیا، رہ نہ جائیو
انگلی اجل کی پکڑے ہوئے لیتا آئیو

سیفی چلی کہ سیفِ یداللہ رواں ہوئی — تیغِ نگہ، نیامِ پلک میں نہاں ہوئی
صوفی کی طرح چلّہ نشیں ہر کماں ہوئی — ہستی فنا ہوئی اور اماں، بے اماں ہوئی

تڑپے فلک، تڑپنے سے اس ذوالفقار کے
بجلی کے سر پہ رعد گرا تیغ مار کے

آنکھیں زرہ کی تیغ سے گرویدہ ہوگئیں — مانندِ کاہ، برچھیاں کاہیدہ ہوگئیں
تن پر کمانیں سہم کے چسپیدہ ہوگئیں — تیغیں سمٹ کے قبضوں میں پوشیدہ ہوگئیں

حربے تو ہاتھ سے گرے، ہاتھ آستین سے
سر تن سے، پاؤں رن سے، رن اٹھا زمین سے

وہ تیغ یوں چمک کے سوئے راس وچپ گئی — کوڑا لگایا رعد نے، بجلی تڑپ گئی
بن کر سپاہ کے لیے لرزے کی تپ گئی — دوزخ کے شعلوں کی کفنی تن پہ نپ گئی

دل ناریوں کا تپ کی حرارت سے جل گیا
کچھ کچھ بخار تیغ کے دل کا نکل گیا

ترچھی رواں پیادوں کے سر پر اگر ہوئی — سیدھی وہ صف رواں سوئے قعر ستر ہوئی
اللہ ری صفائی، لہو میں نہ تر ہوئی — گردن تو اک طرف، نہ خبر کو خبر ہوئی

تیغ نگہ کی طرح، جدھر یہ پلٹ گئی
گردن سر آگے پھینک کے، پیچھے کو ہٹ گئی

یہ کلکِ تیغ، فردِ سپر پر جو چل گیا — ہو کر نڈھال، ڈھال کا چہرہ بدل گیا
فوراً سپر میں ڈوب کے، باہر یہ پھل گیا — گویا گہن میں آکے مہِ نو نکل گیا

تن غرب تھا نہ شرق تھا اہلِ جدال کا
پر ان میں تھا طلوع وغروب اس ہلال کا

ابرو کی شکل تھی خمِ شمشیر سے عیاں — چلتے ہی رن میں، بندھ گیا بھونچال کا سماں
یوں جسم رعشہ دار سے روحیں ہوئیں رواں — جس طرح بھاگیں زلزلے میں چھوڑ کر مکاں

اس زلزلے میں، خانہ زیں، آسیا بنے
پس پس کے راکبوں کے بدن، توتیا بنے

جو تیغ زن کہ طاق تھے روم وعراق میں — جہلِ مرکب ہوگئے کفر و نفاق میں
سوجھی نئی مشقتِ مالا یطاق میں — عزت کو سب نے رکھ دیا تیغوں کے طاق میں

نے قصرِ تن، نہ طاق وہ تیغوں کے رہ گئے
یہ آبرو بھی کہ بدن ساتھ بہ گئے

تیغیں بھی ذوالفقار کے فقروں میں آگئیں — جوہر کی چشمِ تنگ سے، آنکھیں چرا گئیں
یکسر شکستِ فاش سرِ دست پا گئیں — تھی آب کم، حیا کے عرق میں نہا گئیں

تشبیہ تھی یہ تیغوں کے دندانے کے لیے
تیغوں کے دانت نکلے تھے یاں کھانے کے لیے

آخر پکارے سب کہ پیمبر کا واسطہ — اے تیغ، نوجوانیِ اکبر کا واسطہ
اے تیغ، روحِ فاتحِ خیبر کا واسطہ — اے تیغ، خُردسالیِ اصغر کا واسطہ

کوفے کی یا کہ شام کے جانے کی راہ دے
پہنچے سزا کو اپنی، ہمیں تو پناہ رے

قبضے کو چوم کر یہ پکارے شہِ زمن — بس ذوالفقار بس کہ لرزتے ہیں سب کے تن
شمشیر نے جواب دیا ہو کے نعرہ زن — کچھ یاد ہے جناب کو ہمشیر کا سخن

وقفہ ابھی نہیں شہِ عالم کروں گی میں
دم لوں گی، جب کہ شمر کو بے دم کروں گی میں

مظلوم نے کہا، یہ خدا کی رضا نہیں — زینب کو ہے وہ درد کہ جس کی دوا نہیں
معلوم تجھ کو مصلحتِ کبریا نہیں — میری قضا ہے، شمر کی اس دم قضا نہیں

جانے دے قتلِ شمر سے کیا تجھ کو کام ہے
اے تیغ! یہ حسین کے قاتل کا نام ہے

روتی ہوئی وہ تیغ درآئی نیام میں — اور شاہِ بے سپاہ گھرے فوجِ شام میں
آئے ملک فلک سے رکابِ امام میں — ہر اک یہ نوحہ کرتا تھا اس ازدحام میں

روح الامیں! پروں میں چھپا لو حسین کو
لے جا کے عرشِ حق پہ بٹھا دو حسین کو

صابر نے ہاتھ اٹھا کے ندا دی، نہیں نہیں — اب تیغ سے پناہ گلے کو کہیں نہیں
خیبر شکن کا بیٹا ہوں، چیں بر جبیں نہیں — شوقِ لحد ہے، خواہشِ عرشِ بریں نہیں

مرکر حسین، رتبۂ معراج پائے گا
اب آسماں پہ لاشۂ شبیر جائے گا

خاکِ شفا سروں پہ اڑاتے چلے ملک
خونِ جگر سے بچ یاقوت تھی پلک
پہنچے تھے تا فلک کہ لرزنے لگے فلک
اور یہ فغاں زمیں سے گئی آسماں تلک

فریاد ، گوشوارۂ عرشِ خدا گرا
لو خاک پر ستارۂ خیرالنساء گرا

گرتے ہی خاک پر شہ دیں کو غش آگیا
پھر بھی نہ کوئی پیاسے کو پانی پلا گیا
خنجر لگا گیا ، کوئی برچھی لگا گیا
کھولی جو آنکھ شہ نے ، ہراک تھرتھرا گیا

سر کاٹنے کو، پاؤں کسی کا نہ بڑھ سکا
جز رنگِ زرد اور کوئی منہ پر نہ چڑھ سکا

پر آہ آہ، شمر نے بڑھ کر غضب کیا
سینے پہ موزہ، حلق پہ خنجر کو رکھ دیا
چلاتے آئے قبر سے محبوبِ کبریا
بانہیں گلے میں ڈال دیں خنجر پکڑ لیا

زہرا پکاری، یہ دلِ حیدر کا چین ہے
میرا حسین ہے، ارے میرا حسین ہے

روشن اسی نواسے سے نانا کا نام ہے
یہ سرپرستِ عترتِ خیرالانام ہے
خنجر نہ پھیر، پیاس سے یہ تو تمام ہے
آخر خدا ہے، حشر ہے، اور انتقام ہے

للہ، جائیوں کو نہ میری تباہ کر
تو اس کے ننھے بچوں کے سن پر نگاہ کر

اے شمر ! کبریا کی عدالت کا واسطہ
اے شمر ! مصطفٰے کی رسالت کا واسطہ
اے شمر ! مرتضٰے کی امامت کا واسطہ
اے شمر ! اہل بیت کی حرمت کا واسطہ

صدقہ نبی کی گور کا، حیدر کی گور کا
تو گل نہ کر چراغ پیمبر کی گور کا

چلائی در سے زینبِ بے کس بھی، وا اخا
لٹتاں تو آئیں، میں بھی چلی آؤں ننگے پا
بولی سکینہ روک لوں میں خنجرِ جفا
باقر پکارا رو کے، میں سو جان سے فدا

شاید یہ تیغ روک لے معصوم جان کر

دادا! ترے گلے پہ گلا رکھ دوں آن کر

مڑ مڑ کے زیرِ تیغ یہ بولے شہِ امم   زینب ! تجھے شہادتِ شبّر کی قسم

لے جا مرے یتیموں کو خیمے میں ایک دم   بٹتا ہے دھیان، محوِ جمالِ خدا ہیں ہم

بچوں کو لے کے ڈیوڑھی سے زینب تو ہٹ گئی

یاں بوسہ گاہِ احمدِ مختار کٹ گئی

بس اے دبیرؔ دھوم ہے زہرا کے بین کی   لٹتی ہے بارگاہ شہِ مشرقین کی

زینب کے آگے جلتی ہے مسند حسین کی   ہلتی ہے قبر فاتحِ بدر و حنین کی

خالق سے کہہ کہ بخش دُرِ مدعا مجھے

حضرت کی کربلا کا مرقع دکھا مجھے

☆☆☆